واعتصموا بحبل اللہ جمیعا ولا تفرقوا

اور سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوطی
سے تھام لو اور تفرقہ میں نہ پڑو

حبل اللہ

وَالَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ لَا یَخْلُقُوْنَ شَیْئًا وَّھُمْ یُخْلَقُوْنَ ۝ اَمْوَاتٌ غَیْرُ اَحْیَآءٍ ۚ وَمَا یَشْعُرُوْنَ ۙ اَیَّانَ یُبْعَثُوْنَ ۝

(سورۃ النحل : ۲۰، ۲۱)

اور اللہ کے علاوہ جن ہستیوں کو لوگ (حاجت روائی کے لئے) پکارتے ہیں، وہ کسی چیز کے بھی خالق نہیں بلکہ خود مخلوق ہیں۔ مُردہ ہیں نہ کہ زندہ، اور ان کو یہ تک معلوم نہیں کہ انہیں کب (دوبارہ زندہ کرکے) اُٹھایا جائے گا۔

قارئین کرام

آپ سے گذارش ہے کہ کتابت کی کچھ اغلاط کی تصیح ہونے سے رہ گئی ہے۔ جس کیلئے ہم معذرت خواہ ہیں۔ برائے مہربانی دورانِ مطالعہ درج ذیل اغلاط کو ذہن میں رکھیں۔

سطر/ صفحہ	غلطی	تصیح
۱۲ / ۲	یبعثکم	یبعث علیکم
۱۳ / ۱۱	کافی	کافر
۱۰ / ۱۴	رنج پہنے	رنج پہنچے
۲۱ / ۵۵	سماع موکی	سماع موتیٰ
۱۷ / ۵۸	للمتقین	المتقین
۲۱ / ۶۴	انما	انّھا
۱ / ۶	حکم	واللہ یحکم
۱۸ / ۴۵	کردتا ہے	کردیا جاتا ہے
۱۰ / ۸۷	بندی	بندگی
۱۸ / ۹۱	تمیم	تمیمۃ

الہامی ادب

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

حَتّٰۤی اِذَا جَآءَ اَحَدَهُمُ الۡمَوۡتُ قَالَ رَبِّ ارۡجِعُوۡنِ ۙ لَعَلِّیۡۤ اَعۡمَلُ صَالِحًا فِیۡمَا تَرَکۡتُ کَلَّا ؕ اِنَّهَا کَلِمَۃٌ هُوَ قَآئِلُهَا ؕ وَ مِنۡ وَّرَآئِهِمۡ بَرۡزَخٌ اِلٰی یَوۡمِ یُبۡعَثُوۡنَ ﴿۱۰۰﴾

یہاں تک کہ جب ان میں سے کسی کی موت آجاتی ہے تو کہتا ہے کہ اے میرے رب مجھے اُسی دُنیا میں پھر واپس بھیج دے جسے میں چھوڑ آیا ہوں تاکہ میں نیک عمل کروں۔ ہرگز نہیں! یہ تو بس ایک بات ہے جو وہ کہہ رہا ہے۔ اب ان سب (مرنے والوں) کے پیچھے ایک برزخ حائل ہے دُوسری زندگی کے دن تک۔

(سُورۃ المومنون: ۹۹، ۱۰۰)

حبل اللہ

مدیر ، محمد اعظم خان
نائب مدیر ، انیس الدین

اس شمارے میں

ترتیب

یہ پرچہ بلا قیمت تقسیم کیا جاتا ہے

معاونین

محمدی گل
یعقوب علی
سعید احمد
ڈاکٹر طارق الرحمٰن
طارق نعیم



مقام اشاعت، خط و کتابت کا پتہ
دفتر حبل اللہ
۱۹۔ اے۔ ای۔ ریلوے عامر سوسائٹی ملیر کراچی
فون: ۳۸۵،۳۵

تحریکی ساتھیوں سے اپیل

تحریک کو متحرک رکھنے اور حبل اللہ کی اشاعت ممکن بنانے کے لئے براہ مہربانی مالی تعاون ضرور فرمایئے۔

حدیثِ دل

اللہ تعالیٰ کی اس وسیع و عریض اور عدل و انصاف پر مبنی، نظم و ضبط کی پابند کائنات کے اس چھوٹے سے گوشہ یعنی انسانی دنیا میں گھٹا ٹوپ اندھیرا ہے۔ ظلم و جور کی خون آشام فضا اس پر محیط ہے۔ انسانیت انتہائی بے بسی کے عالم میں ظلم و ستم کی چکی میں پس رہی ہے، بچے یتیم ہو رہے ہیں، عورتوں کے سہاگ اجڑ رہے ہیں، آبروئیں پامال ہو رہی ہیں، بالخصوص کلمہ گو نام و نہاد امت مسلمہ تو انتہائی زبوں حالی کا شکار ہے، اس کی بستیوں سے دھواں اٹھ رہا ہے، ان کے مساکن کو کھنڈر بنایا جا رہا ہے اور مکینوں کو بے گھر کیا جا رہا ہے۔ وہ عزت و وقار جس سے ڈیڑھ ہزار برس قبل، اسلام کے مقدس انقلاب کو برپا کرنے والوں اور ان کی نسلوں کو نوازا گیا تھا آج ان کے خلفاء کی یہ بستیاں اس عز و شرف کا قبرستان بن گئی ہیں اور وہ خود من حیث القوم بے بسی و بدحالی اور ذلت و رسوائی کا عبرت انگیز مرقع بن کے رہ گئے ہیں کہ الامان والحفیظ! آخر ایسا کیوں ہے؟ آج ہنود و یہود کے ہاتھوں بیرونی ممالک میں یہ کلمہ گو قوم جس جور و ستم کا نشانہ بنی ہوئی ہے وہ عبرت نگاہی کے لیے کیا کم ہے لیکن اس مملکت اسلامیہ میں تو یہ قوم اپنے ہی لوگوں کے ہاتھوں زبوں حالی کا شکار ہے خون پانی کی طرح ارزاں ہے، آبرو میں لوٹی جا رہی ہیں مختصر یہ کہ جس طرح باہر والے ان کی عزت و آبرو اور جاہ و مال سے کھیل رہے ہیں اپنے گھر والے ان سے بڑھ چڑھ کر اس ڈرامہ میں کردار ادا کر رہے ہیں۔ اللہ تعالےٰ نے پہلے ہی قرآن میں متنبہ فرما دیا تھا:- قل ھو القادر علی ان یبعث علیکم عذابا من فوقکم او من تحت ارجلکم او یلبسکم شیعاً و یذیق بعضکم باس بعض ○ (الانعام)

یعنی ان پر واضح کر دو کہ اگر تم شرک اور کفر اور اللہ تعالےٰ کی نافرمانی سے باز نہ آئے تو وہ پوری قدرت رکھتا ہے کہ تم پر سر کے اوپر سے عذاب کا پہاڑ توڑ دے یا پیروں کے نیچے سے عذاب لے آئے یا تمہیں گروہوں میں تقسیم کر دے اور ایک گروہ کی طاقت کا مزہ دوسرے گروہ کو چکھائے۔ یہ قوم پوری طرح ان آیات کا مصداق بنی ہوئی ہے۔

کائنات کے خالق و مالک، احسن الخالقین نے بنی نوع انسان کو احسن تقویم سے خلق فرمایا، بہترین جسمانی ساخت اور اخلاق و کردار کے اعلیٰ اوصاف اور قلب و ذہن کی اعلیٰ صلاحیتوں سے نواز کر مخلوقات عالم میں امتیازی شان عطا فرما دی۔ پھر اس کو ایک گونہ آزادی و اختیار دے کر ایک بڑے امتحان میں ڈالا، نوع انسانی کو خلافت ارض کے منصب پر فائز کیا (البقرہ ۳۰) اور اس مقصد کے ساتھ اس کو دیگر مخلوقات پر برتری اور شرف سے نوازا اور طیب نعمتیں عطا فرمائیں (بنی اسرائیل ۷۰)۔ اس سے زیادہ بنی نوع انسان کی فضیلت اور عز و شرف کا کیا ثبوت ہو گا کہ اس میں ہی سے احسن تقویم کے تمام اوصاف کے حامل انبیاء علیہم السلام مبعوث فرمائے گئے جنہوں نے اس مشن کی تکمیل کے لئے اپنے آپ کو وقف کر کے بندگی کا اعلیٰ نمونہ پیش کیا۔

یہ سب ایک عظیم منصوبہ ربانی کا حصہ ہے۔ جس کے تحت انسان کو زمین پر بھیجا گیا۔ چنانچہ اس لحاظ سے انسان دوہری ذمہ داری کا حامل ٹھہرا۔ اول یہ کہ انفرادی اور اجتماعی طور پر وہ صرف اور صرف اللہ کی بندگی کرے اور اس کی ذات و صفات اور حقوق و اختیار میں کسی

کو بھی قطعاً شریک نہ کرے۔ دنیا کی بجائے آخرت کی کامیابی کے حصول کو زندگی کا مقصد قرار دے۔ دوسرے یہ کہ اجتماعی طور سے شہادت حق یعنی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی ذمہ داری سنبھالے' الٰہ واحد کی بندگی اور شرک سے اجتناب کی کھلی اور صاف دعوت دے اور اس راہ میں آئی ہوئی مزاحمتوں اور آزمائشوں کو عزم و صبر کے ساتھ انگیز کرے تاریخ انسانی گواہ ہے کہ جنہوں نے بھی ان اوصاف کا حامل بن کر خود کو اجتماعی طور سے ربانی منصوبہ میں شامل کر دیا انہوں نے گویا صحیح معنوں میں احسن تقویم پر ہونے کا ثبوت فراہم کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کو دوسری قوموں پر غلبہ عطا فرمایا' ان کی بستیوں کو امن و سکون اور خیر و برکت کا گہوارہ بنایا اور اپنا وعدہ پورا کر دیا

ولو ان اهل القرىٰ آمنوا واتقوا لفتحنا عليهم بركت من السماء والارض۔۔۔ (الاعراف : ۹۶)

اس کے برعکس جن لوگوں نے روگردانی کی روش اختیار کی اور دنیا کی آسائشوں' رنگینی و دلفریبی کی طرف مائل ہو کر اللہ سے بغاوت و سرکشی کی روش اختیار کی تو اللہ نے انہیں ہلاکت و بربادی اور ذلت و خواری سے دوچار کر دیا۔ کیا یہ ستم ظریفی نہیں کہ رب کریم تو انسان کو احسن تقویم سے خلق فرمائے اور یہ ناشکرا انسان اپنی جسمانی توانائیوں اور ذہنی صلاحیتوں کو اپنے خالق و مالک کے منصوبے کے خلاف برائی کے کاموں اور تخریبی مقاصد کے حصول کے لئے وقف کر دے؟ مالک کا فرمان ہے :

۔۔۔نوله ما تولى ونصله جهنم وساءت مصيرا (النساء : ۱۱۵)

یعنی ہم اس کو اسی طرف چھوٹ دیدیتے ہیں جدھر وہ مائل ہوتا ہے اور پھر (انجام کار) اس کو جہنم واصل کریں گے۔ اور وہ بہت برا ٹھکانہ ہے۔

یہ ہے ننگ انسانیت کا وہ نمونہ جو احسن تقویم ہونے کے بعد "اسفل سافلین" بن جاتا ہے' وہ اپنے اندر اعلیٰ اوصاف کی نشوونما کی بجائے خود غرضی' حرص و طمع' عریانی و فحاشی کا ذوق' شہوت رانی کا شوق' مغلوب الغضب ہو کر کمینے پن اتر آنے کا انداز' غیبت اور دروغ گوئی کے رذیلانہ عادات و اطوار کو پروان چڑھاتا ہے اور اس کو پھر ایسے ہی ہم نشین اور ہم جلیس مل جاتے ہیں جو شیطانی منصوبے کیلئے اپنی صلاحیتوں اور توانائیوں کو وقف کرنے میں راحت و لذت محسوس کرتے ہیں۔ یہ بھی اللہ کا قانون ہے کہ یہ روش اختیار کر کے حامل کتاب قومیں زوال و انحطاط کا شکار ہوتی ہیں ان کے افراد گراوٹ کی اس انتہا کو چھونے لگتے ہیں جہاں تک کوئی اور مخلوق نہیں پہنچ پاتی۔ یہ اپنی اغراض و مقاصد اور شیطانی خواہشات کی تکمیل میں حد سے تجاوز کر جاتے ہیں' بدکاری اور خون ریزی میں یہ جانوروں' درندوں کو بھی پیچھے چھوڑ دیتے ہیں۔ ہیروشیما ناگاساکی کی تباہی' درندہ صفت انسانوں کی اسفل سافلین ہونے کا بین ثبوت ہے۔ کیا آج انسانیت اسی بربادی اور ہلاکت کی راہ پر گامزن نہیں جس کا شکار پہلی قومیں ہوئیں؟

قابل مبارکباد ہیں وہ اللہ کے بندے' وہ سعید الفطرت انسان جو ایسے تاریک اور گھٹا ٹوپ اندھیروں میں بھی شمع ہدایت فروزاں رکھنے کے لئے اپنی توانائیوں اور صلاحیتوں کو بروئے کار لا کر اس مشن کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کا عزم رکھتے ہیں اور باطل پرستوں' منکرین اور مخالفین کی سازشوں اور ریشہ دوانیوں سے ذرا بھی مرعوب نہیں ہوتے بلکہ توکل علی اللہ اور تفویض الامور الی اللہ کی صفات اور عزم و صبر کے ہتھیار سے آراستہ ہو کر اس کا مقابلہ کرنے کا حوصلہ رکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ہمیں صبر و استقامت کے ساتھ اس راہ کی مشکلات سے نبرد آزما ہونے کی توفیق احسن عطا فرمائے اور پائے استقامت میں ذرا بھی لغزش نہ آنے پائے! آمین۔

اسلام اور جمہوریت کا تضاد

عبدالصمد

اسلام اور جمہوریت کے تضاد کے سلسلے میں درج ذیل مضمون ہمارے ایک بھائی کے یونیورسٹی میں تحقیقی مقالے کا حصہ ہے، جس کو معمولی ترمیم کے ساتھ افادہ عامہ کے لئے حبل اللہ میں شائع کیا جا رہا ہے۔ (ادارہ)

جمہوریت سے مراد ایسا نظام حکومت ہے، جس میں عوام کے چنے ہوئے نمائندوں کی اکثریت رکھنے والی سیاسی جماعت حکومت چلاتی ہے اور عوام کے سامنے جواب دہ ہوتی ہے۔ قدیم یونانی مورخ ھیروڈوٹس (Herodotus) نے جمہوریت کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے کہ یہ ایک ایسا طرز حکومت ہے کہ:

"جس میں حاکمانہ اختیارات قانونی طور پر کسی ایک گروہ یا عوام کے کئی گروہوں کے پاس نہیں بلکہ مجموعی طور پر معاشرے کے جملہ ارکان کو حاصل ہوتے ہیں۔"

(Principles Of Political Science By Mazharal Haq, P-24)

سابق امریکی صدر ابراہم لنکن نے جمہوریت کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے۔

"عوام کی حکومت عوام کی ذریعے اور عوام کے لیے۔" (ایضاً)

جمہوریت کے بارے میں ابراہم لنکن کی تعریف جامع اور درست تصور کی جاتی ہے۔ اس تعریف میں عوام کو مرکزی حیثیت حاصل ہے یعنی عوام کی حکومت سے مراد ہے کہ اقتدار اعلیٰ عوام کو ہی حاصل ہے اور عوام کے ذریعے حکومت سے مراد یہ ہے کہ عوام صرف اقتدار اعلیٰ کے نظریاتی طور پر ہی مالک نہیں ہیں بلکہ وہ عملاً بھی اپنے آپ پر حکومت کرتے ہیں یعنی وہ حکومت کی باگ ڈور اپنے ایسے نمائندوں کے حوالے کرتے ہیں جن سے وہ جواب طلبی کر سکتے ہوں اور بوقت ضرورت انہیں مسند اقتدار سے ہٹا بھی سکتے ہوں۔ اور عوام کے لیے حکومت سے مراد یہ ہے کہ حکومت عوام کے لیے ہے اس کا مقصد بلا استثناء عوامی مفاد کی حفاظت ہے۔ (سیاست و ریاست از فاروق نجیب اختر)

جہاں تک جمہوریت کی اصل کا تعلق ہے، قطع نظر جدید جمہوریت سے بنیادی فرق کے اس کا تصور قدیم یونان کی شہری ریاستوں میں بھی پایا جاتا تھا۔ لیکن باقاعدہ طور پر دنیا میں جمہوریت کی ترقی کی راہ عالمی جنگوں کے بعد ہموار ہوئی خاص کر دوسری جنگ عظیم کے پیدا کردہ

حالات جمہوریت کے فروغ کا سبب بنے جبکہ جاپان، جرمنی اور اٹلی وغیرہ کی جارحیت کو شکست ہوئی۔ برطانیہ، فرانس اور ہالینڈ کی شہنشاہیت اور سامراجیت پر بھی ضرب پڑی۔ چنانچہ ان ممالک کی محکوم اقوام بھی آزادی حاصل کر کے جمہوریت کی راہ پر گامزن ہونے لگیں۔ (تاریخ جمہوریت از شاہد حسین رزاقی)

اکثر اسلامی ممالک نے بھی آزادی کے بعد جمہوری طریق کار کو اپنا لیا۔ اسی طرح پاکستان میں بھی بحیثیت ایک سیاسی نظام کے جمہوری اصولوں کو اپنایا جاتا رہا ہے بلکہ پاکستان کے تمام دساتیر کی ہمیشہ پہلی دفعہ ہی یہ رہی ہے کہ "مملکت پاکستان ایک وفاقی جمہوریہ (جمہوری حکومت) ہوگی۔ جس کا نام اسلامی جمہوریہ پاکستان ہوگا۔" (دستور پاکستان ۱۹۷۳ء)

ہمارے ملک کے اکثر سیاسی و مذہبی زعماء بھی جمہوری اقدار کے فروغ پر زور دیتے رہے ہیں بعض دانشور تو جمہوریت کو اسلام کے شورائی نظام کے عین مطابق قرار دیتے ہیں۔ حالانکہ جمہوریت کے بنیادی اصولوں اور اسلامی تعلیمات میں کھلا تضاد موجود ہے۔ ذیل میں اسلامی تعلیمات اور جمہوریت کے اصولوں میں پائے جانے والے تضاد کے چند نمایاں پہلوؤں کو بیان کیا جا رہا ہے۔

۱۔ عوام کی حاکمیت

جمہوری نظام حکومت میں اصولی طور پر یہ تسلیم کیا جاتا ہے کہ آخری اقتدار یا آخری فیصلہ عوام کے پاس ہی ہے، یعنی اقتدار اعلیٰ عوام کو حاصل ہے لیکن اسلامی نقطہ نظر سے اقتدار اعلیٰ نہ عوام کو حاصل ہے نہ سربراہ مملکت کو اور نہ ہی کسی خاندان یا ادارے کو بلکہ اقتدار اعلیٰ اللہ تعالیٰ کو حاصل ہے۔ (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حکمت انقلاب از سید اسعد گیلانی ص ۵۵۶) جو کہ ہر چیز کا خالق ہے۔ قرآن میں بیان فرمایا گیا ہے:۔

○۔۔۔فسبحٰن الذی بیدہ ملکوت کل شیٔ والیہ ترجعون○ (یٰسین : ۸۳)

"پاک ہے وہ (ذات) جس کے ہاتھ میں ہر چیز کا پورا اختیار ہے اور اسی کی طرف تم کو لوٹ کر جانا ہے۔"

○۔۔۔وسع کرسیہ السمٰوٰت والارض ولا یؤدہ حفظھما (البقرۃ : ۲۵۵)

"اس کا اختیار آسمانوں اور زمین پر پھیلا ہوا ہے اور ان کی نگرانی اس کے لیے تکان کا باعث نہیں۔"

○۔۔۔الذی لہ ملک السمٰوٰت والارض ولم یتخذ ولدا ولم یکن لہ شریک فی الملک۔۔۔ (الفرقان : ۲)

"وہی جس کے لیے آسمانوں اور زمین کی بادشاہی ہے اور جس نے کسی کو بیٹا نہیں بنایا اور جس کے ساتھ بادشاہی میں کوئی شریک نہیں ہے۔"

○۔۔۔لا یسئل عما یفعل وھم یسئلون (الانبیاء : ۲۳)

"وہ جو کچھ کرتا ہے اس کے بارے میں (کسی کے آگے) جواب دہ نہیں جبکہ سب لوگ (اس کے سامنے) جواب دہ ہیں۔"

○ ـــ ـ یحکم لا معقب لحکمہ (الرعد : ۴۱)

"اللہ (جیسے چاہتا ہے) حکم کرتا ہے کوئی اس کے فیصلے کا رد کرنے والا نہیں۔"

○ ـ وما کان اللہ لیعجزہ من شئی فی السمٰوٰت ولا فی الارض انہ کان علیما قدیرا ○ (الفاطر: ۴۴)

"اور اللہ ایسا نہیں کہ آسمانوں اور زمین میں کوئی چیز اس کو عاجز کر سکے وہ علم اور قدرت رکھنے والا ہے۔"

○ ـــ والی اللہ عاقبۃ الامور ○ (لقمٰن : ۲۲)

"اور (تمام) معاملات کا انجام اللہ کی طرف ہے۔"

○ ـــ رب السمٰوٰت والارض وما بینہما الرحمٰن لا یملکون منہ خطابا ○ (النبا : ۳۷)

"وہ جو آسمانوں اور زمین اور جو کچھ ان دونوں کے درمیان ہے سب کا مالک ہے بڑا مہربان کسی کو اس کے سامنے بولنے کا یارا نہ ہو گا۔"

○ ـــ ولا یشرک فی حکمہ احدا ○ (الکہف : ۲۶)

"اور وہ اپنے حکم (فیصلے) میں کسی کو شریک نہیں کرتا۔"

○ ـــ وللہ ملک السمٰوٰت والارض وما بینہما والیہ المصیر ○ (المائدہ : ۱۸)

"اور آسمانوں اور زمین اور جو کچھ ان کے درمیان ہے سب پر اللہ ہی کی حکومت ہے اور سب کو اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔"

ان آیات سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کا اقتدار کسی محدود یا مجازی مفہوم میں نہیں بلکہ اپنے پورے مفہوم اور اس کے مکمل تصور کے لحاظ سے حقیقی اقتدار اعلیٰ ہے۔ درحقیقت اقتدار اعلیٰ جس چیز کا نام ہے وہ اگر کہیں پایا جاتا ہے تو صرف اللہ تعالیٰ کی بادشاہی میں ہی پایا جاتا ہے' اس کے سوا اور جہاں بھی اس کے ہونے کا دعویٰ کیا جاتا ہے خواہ وہ کسی بادشاہ یا ڈکٹیٹر کی ذات ہو یا کوئی طبقہ یا گروہ یا خاندان ہو یا کوئی قوم ہو' اسے فی الواقع اقتدار اعلیٰ حاصل نہیں ہے کیونکہ اقتدار اعلیٰ سرے سے اس حکومت کو کہتے ہی نہیں جو کسی کا عطیہ ہو' جو کبھی ملے اور کبھی سلب ہو جائے' جسے کسی دوسری طاقت سے خطرہ لاحق ہو سکتا ہو' جس کا قیام و بقا عارضی و وقتی ہو اور جس کے دائرہ اقتدار کو بہت سی دوسری متصادم قوتیں محدود کرتی ہوں (تفہیم القرآن ج ۵ ص ۴۳) یہاں اس امر کا اظہار بھی ضروری ہے کہ اسلام کا نظریہ اقتدار اعلیٰ ایک دینی عقیدہ ہے اسکو سائنسی' منطقی یا عقلیاتی اصولوں اور دلیلوں سے پرکھا نہیں جا سکتا نیز اقتدار اعلیٰ کی یہ موجودہ بحث ایک جدید بحث ہے جو کہ باقاعدہ طور پر انقلاب فرانس (۱۷۸۹ء) کے بعد منظر عام پر آئی۔

۲۔ اکثریت کا فیصلہ

جمہوریت کا سب سے نمایاں اصول یہ ہے کہ اس میں ہر معاملے میں فیصلے کثرت آراء یعنی اکثریت کی بنیاد پر ہوتے ہیں' خواہ وہ غلط ہی کیوں نہ ہوں گویا کہ جمہوریت میں حق و باطل میں تمیز کا پیمانہ بھی اکثریت کا فیصلہ ہے مگر اس کے برعکس اسلامی تعلیمات میں حق و باطل میں تمیز کے لیے اکثریت کے فیصلے کو گمراہی قرار دیا گیا ہے' ارشاد باری تعالیٰ ہے:۔

○...وان تطع اکثر من فی الارض یضلوک عن سبیل اللہ ؕ ان یتبعون الا الظن وان هم الا یخرصون○ (الانعام: ۱۱۷)

"اور اے نبیؐ اگر تم زمین پر بسنے والے لوگوں کی اکثریت کا کہا مانو گے تو وہ تمہیں اللہ کے راستے سے پھیر دیں گے۔ یہ محض گمان کی پیروی کرتے اور اٹکل کے تیر چلاتے ہیں۔"

اسی طرح اسلامی تعلیمات میں عام اجتہادی فیصلے بھی کثرت آراء کی بنیاد پر نہیں ہوتے بلکہ قوت دلیل کی بنیاد پر ہوتے ہیں' عہد رسالت اور عہد خلافت راشدہ میں ایسی متعدد مثالیں ملتی ہیں جس میں قوت دلیل کی بنیاد پر محض ایک شخص کی رائے پر اجماع کر لیا گیا۔ اس کی چند مثالیں حسب ذیل ہیں:۔

(الف) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ بدر میں ایک خاص جگہ خیمہ زن ہونے کا فیصلہ کیا اس پر ایک صحابی خبابؓ بن منذر نے عرض کیا یا رسولؐ اللہ کیا اس جگہ خیمہ زن ہونے کا فیصلہ وحی الٰہی کی پر مبنی ہے یا آپؐ کا ذاتی فیصلہ ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ میرا ذاتی فیصلہ ہے تو اس پر خبابؓ بن منذر نے یہ مشورہ دیا کہ یہ جگہ غیر موزون ہے یہاں سے لشکر کو لیکر فلاں جگہ خیمہ زن ہوں تاکہ مسلمان آسانی سے پانی حاصل کر سکیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ مشورہ پسند آیا اور آپ نے اس مشورہ کو قبول فرمایا۔ (الکامل فی التاریخ ابن الاثیر جز ثانی ص ۸۵)

(ب) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ بدر کے بعد اسیران جنگ کے بارے میں صحابہ کرامؓ سے مشورہ لیا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے رائے دی کہ فدیہ لیکر چھوڑ دیا جائے آپؐ نے اس رائے کو پسند کیا اور فدیہ لیکر سب کو رہا کر دیا۔ (تاریخ اسلام از اکبر شاہ خان نجیب آبادی ج ۱ ص ۱۳۶)

(ج) غزوۂ احزاب کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ کرام سے مشورہ لیا۔ سلمانؓ فارسی جو کہ ایران کے رہنے والے تھے انہوں نے مدینہ کے گرد خندق کھودنے کا مشورہ دیا آپ نے اس مشورہ کو قبول فرمایا۔ (زاد المعاد فی ھدی خیر العباد ج ۲ ص ۱۱۷)

(د) خلیفہ دوم عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے شراب کی سزا مقرر کرنے کی بابت صحابہ کرامؓ سے مشورہ کیا۔ علی

بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میری رائے میں شرابی کی سزا اسی کوڑے ہونی چاہئے۔ کیونکہ جب آدمی شراب پیتا ہے تو مست ہو جاتا ہے اور جب مست ہو جاتا ہے تو بیہودہ بکتا اور بہتان لگاتا ہے' عمر فاروقؓ نے اس مشورہ کو پسند فرمایا اور شراب پینے کی سزا اسی کوڑے مقرر کر دی۔ موطأ ج ۲ کتاب الحدود)

ان دلائل سے یہ مقصد نہیں ہے کہ اسلام میں اکثریت کی رائے کو ہر جگہ نظر انداز کیا گیا ہے بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض دفعہ اکثریت کے فیصلے کو بھی قبول کیا ہے مثلاً:

غزوہ احد کے موقعہ پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحابؓ سے مشورہ کیا کہ شہر میں رہ کر مقابلہ کیا جائے یا باہر نکل کر۔ اکثر نے باہر نکلنے کی رائے دی' خاص کر ان لوگوں نے جو غزوہ بدر میں حصہ نہ لے سکے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں کی رائے کو منظور فرمایا حالانکہ آپ شہر میں رہ کر مقابلہ کرنا چاہتے تھے۔

(الکامل فی التاریخ ابن الاثیر ج ۲ ص ۱۰۳)

چنانچہ کثرت آراء کو شریعت اسلامیہ نے نہ تو ہر جگہ حجت اور دلیل تسلیم کیا ہے اور نہ ہر موقع پر اسے اس درجہ سے محروم رکھا ہے بعض مواقع پر اسے حجت مانا ہے اور بعض میں اسے حجت و دلیل تسلیم کرنے سے انکار کر دیا ہے (اسلام کا سیاسی نظام از محمد اسحاق صدیقی ص ۲۲۷)۔ مجلس شوریٰ کا اصل کام یہ ہے کہ وہ امیر کو مشورہ دے لیکن تجاویز کو قانون کی منزل تک پہنچانا امیر کا کام ہے۔ یہی بات سورۃ آل عمران کی حسب ذیل آیت سے بھی ثابت ہے۔

○۔۔۔۔وشاورھم فی الامر فاذا عزمت فتوکل علی اللہ ان اللہ یحب المتوکلین ○

(آیت نمبر ۱۵۹)

"اور (اے پیغمبر) دین کے کام میں ان سے مشورہ لیا کرو۔ پھر جب تم (کسی کام کا) پکا ارادہ کر لو تو اللہ پر بھروسہ رکھو۔ بیشک اللہ بھروسہ رکھنے والوں کو دوست رکھتا ہے"

اس آیت سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ مشورہ کے بعد کسی ایک جانب کو ترجیح دینا اور اس کا عزم کرنا یہ فقط امیر مجلس کی رائے پر موقوف ہے۔ امیر اپنی دیانت اور فہم سے جس رائے کو زیادہ صائب سمجھے گا اس کو نافذ کرے گا۔ (اسلام میں مشورہ کی اہمیت از حبیب الرحمٰن عثمانی۔ مفتی محمد شفیع ص ۱۰) چنانچہ اسلامی شورائی نظام میں امیر وقت کو فیصلے کا حتمی اختیار حاصل ہونے کی وجہ سے مجلس شوریٰ کے اندر گروپ بندی کا کوئی امکان باقی نہیں رہتا۔ صرف ایک ہی ناقابل تقسیم جماعت ہوتی ہے جو منفرد انداز میں بیک وقت حزب اختلاف بھی ہوتی ہے اور حزب اقتدار بھی اور اس کا واحد مقصد اللہ کی زمین پر اللہ کی حکومت قائم کرنا ہوتا ہے۔ اس نسبت سے شوریٰ اللہ کے قانون کی پابند ہے۔ مجلس شوریٰ میں کوئی ایسی تجویز پیش نہیں ہو سکتی جو کسی اسلامی قانون کے خلاف ہو مجلس شوریٰ اس امر پر تو مشورہ کر سکتی ہے کہ کسی نص کا صحیح مفہوم کیا ہے اور اس پر عملدر آمد کس طریقہ سے کیا جائے لیکن کسی ایسے معاملے پر کوئی مشورہ نہیں کر سکتی جس کا فیصلہ اللہ اور اس کے رسول نے کر دیا ہو۔ (تفہیم القرآن ج ۴ ص ۵۱۰) اس کا ثبوت خلیفہ اول ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے اس طرز

عمل سے بھی دیا جا سکتا ہے جو آپ نے منکرین زکوٰۃ و نماز کے معاملہ میں اختیار کیا تھا۔ آپ مشورہ کی طرف متوجہ نہیں ہوئے کیونکہ آپ کے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ان لوگوں کے بارے میں حکم موجود تھا اس بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان یہ ہے کہ جو اپنے دین کو بدلے اسے قتل کر دو چنانچہ ابو بکر صدیقؓ نے منکرین زکوٰۃ و نماز کے خلاف جہاد کیا (بخاری کتاب الاعتصام)

۳۔ عورت کی سربراہی اور اسکی شہادت

جمہوریت میں ایک عورت ملک کی سربراہ بن سکتی ہے یا اسی طرح کے کسی بڑے منصب پر فائز ہو سکتی ہے اور ہر مقدمہ میں اسکی شہادت مرد کے برابر تصور کی جاتی ہے' لیکن اسلامی تعلیمات کی روشنی میں یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ کوئی عورت سربراہ مملکت نہیں بن سکتی اور نہ ہی ایسے کسی بڑے منصب پر فائز ہو سکتی ہے۔ سورۃ النساء میں فرمایا گیا:

○۔۔۔الرجال قوامون علی النساء۔ (آیت نمبر:۳۴)

"مرد عورتوں پر قوام ہیں۔"

صحیح بخاری میں ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ خبر سنی کہ اہل فارس (ایران والوں) نے کسریٰ کی بیٹی کو اپنا حکمران بنالیا ہے تو آپ نے فرمایا:

"وہ قوم ہرگز فلاح نہیں پاسکتی جس نے اپنے امور عورت کے سپرد کر دیے ہوں۔ (کتاب المغازی)

مذکورہ بالا نصوص شرعیہ اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ مملکت میں ذمہ داری کے مناصب خواہ وہ صدارت ہو یا وزارت یا مجلس شوریٰ کی رکنیت وغیرہ' عورتوں کے سپرد نہیں کئے جاسکتے (اسلامی ریاست از سید ابو الاعلیٰ مودودی) اور اسی طرح اسلام کے قانون شہادت میں مقدمات کی نوعیت کے اعتبار سے گواہوں کی تعداد میں بھی فرق رکھا گیا ہے مثلاً ثبوت زنا کے لیے چار مرد گواہ ہونگے (النور:۱۳' النساء ۱۵)۔ قصاص قتل اور فوجداری مقدمات میں "دو مرد گواہ ہوں گے (بخاری : کتاب الدیات ج ۳) کیونکہ عموماً ایسے مقدمات میں عورت کی شہادت تسلیم نہیں کی جاتی۔ البتہ عام مقدمات میں ایک مرد اور دو عورتوں کی شہادت لی جاسکتی ہے کیونکہ قرآن وسنت میں عورت کی گواہی مرد کی گواہی کا نصف قرار دی گئی ہے (بخاری: کتاب الشہادت) لیکن ایسے معاملات جنکی اطلاع مردوں کے لیے ممکن نہیں وہاں پر عورتوں کی شہادت قبول کی جاتی ہے مثلاً رضاعت (دودھ پلانا' دودھ شریک) کے سلسلہ میں صرف ایک عورت کی ہی گواہی کافی ہو سکتی ہے۔ (بخاری : کتاب النکاح)۔ اس طرح کے معاملات میں عورت سے مشورہ بھی لیا جا سکتا ہے۔ خلیفہ دوم عمر فاروق رضی اللہ عنہ عورتوں سے بھی مشورہ لے لیا کرتے تھے۔ (تفسیر مظہری ج ۲ حاشیہ آل عمران)

۴۔ علماء جہلا کی یکسانیت

جمہوریت میں ہر بالغ مرد و عورت کے ووٹ کو یکساں قرار دیا جاتا ہے اور اسی طرح مجالس قانون ساز میں بھی عموماً ہر ممبر کی رائے کی اہمیت یکساں تصور کی جاتی ہے خواہ وہ ایک مومن ہو یا ایک مشرک و کافر' ایک عالم ہو یا ایک جاہل۔ لیکن نصوص شرعیہ میں مومن اور

مشرک، عالم اور جاہل، متقی اور فاجر و فاسق کو برابر و یکساں قرار نہیں دیا گیا ہے۔ قرآن کی گواہی ملاحظہ ہو۔

○۔۔۔افمن کان مومنا کمن کان فاسقا لا یستون ○ (السجدہ : ۱۸)

"بھلا وہ شخص جو مومن ہو کیا اس شخص کی طرح ہو سکتا ہے جو فاسق ہو؟ دونوں برابر نہیں ہو سکتے۔"

○۔۔۔قل ھل یستوی الذین یعلمون والذین لا یعلمون (الزمر : ۹)

"اے پیغمبر! کہو (ان سے پوچھو) کیا جو لوگ علم رکھتے ہیں اور جو علم نہیں رکھتے دونوں برابر ہو سکتے ہیں۔"

○۔۔۔قل لا یستوی الخبیث والطیب ولو اعجبک کثرۃ الخبیث (المائدہ : ۱۰۰)

"اے نبی! کہہ دو کہ ناپاک اور پاک چیزیں برابر نہیں ہو سکتیں اگرچہ ناپاک چیزوں کی کثرت تمہیں اچھی ہی لگے۔"

○۔۔۔ام حسب الذین اجترحوا السیات ان نجعلھم کالذین امنوا و عملوا الصلحت سوآء محیاھم ومماتھم ساء ما یحکمون ○ (الجاثیہ : ۲۱)

"جو لوگ برے کام کرتے ہیں کیا وہ یہ خیال کرتے ہیں کہ ہم ان کو ان لوگوں جیسا کریں گے جو ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے (اور) ان کی زندگی اور موت یکساں ہوگی؟ یہ برا فیصلہ کرتے ہیں۔"

○۔۔۔وما یستوی الاعمی والبصیر والذین امنوا و عملوا الصلحت ولا المسیٓء قلیلا ما تتذکرون ○ (المومن : ۵۸)

"اور اندھا اور آنکھ والا برابر نہیں۔ اور نہ ایمان لانے والے نیکوکار اور بدکار برابر ہیں۔ (حقیقت یہ ہے کہ) بہت کم لوگ غور کرتے ہیں۔"

○۔۔۔ام نجعل الذین امنوا و عملوا الصٰلحٰت کالمفسدین فی الارض ام نجعل المتقین کالفجار ○ (ص : ۲۸)

"کیا ہم ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے، ان لوگوں کی طرح کردیں گے جو زمین میں فساد کرتے ہیں؟ کیا ہم پرہیزگاروں کو بدکاروں جیسا کردیں گے؟"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان بھی یہی ہے کہ :

○۔۔۔ "اللہ کے نزدیک بزرگ و برتر وہ شخص ہے جو اللہ سے ڈرتا ہے یعنی متقی و پرہیزگار ہے۔" (مشکوٰۃ : کتاب الادب)

اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کو بھی بہتر قرار دیا ہے۔

○۔۔۔ "جو کہ فقیہ ہو یعنی عقلمند و سمجھدار ہے۔" (مشکوٰۃ : ایضاً)

اسی لیے قرون اولیٰ میں مجلس شوریٰ کا رکن عموماً انہی لوگوں کو بنایا جاتا تھا جو عالم اور متقی جانے جاتے تھے۔ خلیفہ دوم عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے جنگ قادسیہ کے موقعہ پر ایک خطبہ میں فرمایا تھا کہ۔

○..... "مسلمانوں پر واجب ہے کہ ان کے کام ذی رائے اصحاب کے مشورہ سے انجام پذیر ہوں۔ عام لوگ اس شخص کے تابع ہوں۔ جس کو انہوں نے والی حکومت قرار دیا ہے اور والی حکومت ذی رائے اصحاب کے تابع ہے۔ لہٰذا اب کو ان کی پیروی کرنی ہوگی۔" (تاریخ الطبری ج ۳ ص ۲۸۱) علی بن ابی طالب نے بھی ایک موقعہ پر فرمایا تھا کہ :

○..... "عابد (پرہیزگار متقی) لوگوں کو جمع کر کے ان سے مشورہ لینا چاہئے۔" (روح المعانی فی تفسیر القرآن: سورۃ الشوریٰ)

۵۔ کثیر جماعتی نظام۔

عموماً ایک جمہوری ریاست میں متعدد سیاسی جماعتیں ہوتی ہیں اور ہو سکتی ہیں۔ ہر جماعت اپنا الگ نظریہ رکھتی ہے اور عوام کے سامنے اپنا الگ منشور پیش کرتی ہے لیکن اسلام میں مسلمانوں کے درمیان صرف ایک ہی جماعت کا وجود ثابت ہوتا ہے کیونکہ قرآن میں تمام انسانیت کو دو گروہوں میں تقسیم کیا گیا ہے ایک مسلم اور دوسرے کافر اور تمام مسلمانوں کا تعلق ایک ہی امت (جماعت) سے ظاہر کیا گیا ہے فرمایا :

○..... ھوالذی خلقکم فمنکم کافر ومنکم مؤمن واللہ بما تعملون بصیرہ (التغابن:۲)

"وہی تو ہے جس نے تم کو پیدا کیا پھر کوئی تم میں کافر ہے اور کوئی مومن۔ اور اللہ دیکھ رہا ہے جو تم کرتے ہو"

○..... ان ھذہ امتکم امۃ واحدۃ وانا ربکم فاعبدون ○ و تقطعوا امرھم بینھم کل الینا راجعون (الانبیاء: ۹۲' ۹۳)

"یہ تمہاری امت ایک ہی امت ہے اور میں تمہارا رب ہوں پس تم میری ہی عبادت کیا کرو۔ اور یہ لوگ (خود ہی) اپنے معاملے میں باہم متفرق ہو گئے (مگر) سب ہماری ہی طرف رجوع کرنے والے ہیں"

○..... یایھا الذین امنوا اتقوا اللہ حق تقٰتہٖ ولا تموتن الا و انتم مسلمون ○ واعتصموا بحبل اللہ جمیعاً ولا تفرقوا (آل عمران: ۱۰۲' ۱۰۳)

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو اللہ سے ڈرو جیسا کہ اس سے ڈرنے کا حق ہے اور تم کو موت نہ آئے مگر اس حال میں کہ تم مسلم ہو اور تم سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑے رہنا اور متفرق نہ ہونا"

احادیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں بھی اسلامی جماعت کے مقابلہ میں کسی دوسری جماعت کے بنانے کو سخت ناپسندیدہ فعل اور بغاوت کہا گیا ہے' ملاحظہ فرمایئے:

○..... "جو شخص امیر کی اطاعت سے نکلا اور اسلامی جماعت سے جدا ہوا اور اسی حال میں مر گیا تو اسکی موت جاہلیت کی موت ہوگی۔" (مسلم: کتاب الامارۃ)

○..... "عنقریب طرح طرح کے شر اور فسادات رونما ہوں گے پس جو شخص اس امت کے اتحاد و ارتباط میں تفریق پیدا کرے اور مجمع امت کے اجتماع کو توڑ دے اسکی گردن تلوار سے اڑا دو خواہ وہ کوئی ہو۔" (مشکوٰۃ: کتاب الامارۃ والقضاء)

○..... "جو شخص تمہارے پاس آئے اور امام وقت کے خلاف خروج کا دعویٰ کرے اور حالت یہ ہو کہ تم سب ایک امیر اور ایک خلیفہ کی اطاعت پر متحد ہو اور وہ تمہارے اتحاد کو توڑنے کا ارادہ رکھتا ہو یا تمہاری جماعت کو متفرق کر دینا چاہتا ہو تو تم اس کو قتل کر دو۔" (مشکوٰۃ: ایضاء)

ایک دوسری حدیث میں حذیفہؓ بن الیمان سے روایت ہے کہ جب انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے استفسار کیا کہ اگر میں ایسا زمانہ پاؤں جبکہ مسلمان حالت شر (یعنی تفرقہ' فتنہ و فساد) میں مبتلا ہوں تو میں کیا کروں؟

○..... "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم مسلمانوں کی جماعت اور ان کے امام کے ساتھ رہنا۔ میں عرض گزار ہوا کہ اگر ان کی کوئی جماعت اور کوئی امام نہ ہو؟ فرمایا کہ تم فرقوں سے علیحدگی اختیار کر لینا خواہ تمہیں کسی درخت کی جڑیں چبانی پڑے یہاں تک کہ تمہیں موت آجائے لیکن رہنا اسی حالت میں۔" (بخاری: کتاب الفتن)

اسلام میں سیاسی جماعتوں کے وجود کے حق میں جو دلائل پیش کئے جاتے ہیں ان میں خصوصی طور پر علیؓ بن ابی طالب کے عہد حکومت میں اور امیر معاویہؓ کے عہد حکومت کے بعد مسلمانوں میں تفرقہ' خانہ جنگی اور نفاق سے متعلق جو واقعات پیش آئے ان کو بنیاد بنایا جاتا ہے حالانکہ تاریخ اسلام کے یہ مذکورہ ادوار مثالی دور نہیں کہلائے جاتے بلکہ محدثین کتب احادیث میں ان ادوار کا ذکر "کتاب الفتن" میں لائے ہیں (ملاحظہ ہو کتاب الفتن: بخاری و مشکوٰۃ)

اس اعتبار سے سیاسی جماعتوں کے وجود کے حق میں یہ دلیل وزن نہیں رکھتی چنانچہ اس دلیل کو اسلام میں سیاسی جماعتوں کے وجود کے سلسلہ میں بنیاد نہیں بنایا جا سکتا۔ ان مذکورہ بالا نصوص شرعیہ کی روشنی میں یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ مسلم امت پوری کی پوری ایک ہی جماعت ہے اور اسکا منشور صرف اور صرف شریعت کا نفاذ ہے۔

۶۔ حکومت و منصب کی خواہش

جمہوریت میں سیاسی لیڈر اور سیاسی جماعتیں حکومت حاصل کرنے کی خواہش رکھتے ہیں۔ اسی لیے وہ انتخابات میں حصہ لیتے ہیں اور اپنے جلسوں میں عوام سے ووٹ کا سوال کرتے ہیں تاکہ انتخابات جیت کر حکومت یا حکومت کا کوئی عہدہ حاصل کر سکیں۔ لیکن اسلامی تعلیمات میں حکومت و اقتدار کی خواہش کرنے سے منع کیا گیا ہے اور اسی طرح ایسے افراد کو بھی کوئی منصب دینا جائز نہیں ہے جو کسی منصب کی حرص رکھتے ہوں۔ اس بارے میں رسولؐ کے فرامین یہ ہیں :

○...... "عبدالرحمٰن بن سمرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں مجھ سے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ امارت و حکومت کی خواہش نہ کر اس لیے کہ اگر تجھ کو مانگنے سے حکومت ملی تو تو حکومت کے حوالہ کیا جائے گا اور اگر بے مانگے ملے تو اللہ کی طرف سے تجھ کو مدد دی جائے گی۔" (بخاری : کتاب الاحکام)

○...... "ہم اس کو حاکم نہیں بناتے جو اس کی درخواست کرے یا اس کا حریص ہو۔" (بخاری : ایضا)

۷۔ کلیدی مناصب پر غیر مسلموں کا تقرر:۔

ایک جمہوری حکومت میں اقلیتوں کو مجالس قانون ساز کا ممبر بنایا جاسکتا ہے۔ اسی طرح انہیں وزیر، قاضی، سالار جیسے کلیدی اور اہم مناصب پر بھی فائز کیا جاسکتا ہے لیکن ایک اسلامی حکومت میں کوئی غیر مسلم ایسے کلیدی مناصب کا اہل نہیں ہو سکتا جہاں وہ حکومت کی پالیسی میں حصہ دار ہو "کیونکہ ایک اسلامی ریاست نظریاتی نوعیت کی ہوتی ہے، اس لیے اس کے چلانے والے بھی ایسے آدمی ہونے چاہئیں جو اس کے نظریات سے متفق ہوں۔ (اسلامی ریاست از سید ابو الاعلیٰ مودودی ص ۴۸۶)

اللہ تعالیٰ اہل ایمان کو تعلیم فرماتا ہے!

○...... لا یتخذ المومنون الکفرین اولیاء من دون المومنین ۚ ومن یفعل ذالک فلیس من اللہ فی شئی...... (آل عمران:۲۸)

"مومنوں کو چاہیے کہ مومنوں کے مقابلے میں کافروں کو دوست نہ بنائیں اور جو ایسا کرے گا اس کا اللہ سے کوئی تعلق نہیں۔"

○...... یاایھا الذین آمنوا لا تتخذوا بطانۃ من دونکم لا یالونکم خبالا ۖ ودوا ما عنتم قد بدت البغضاء من افواھھم ۚ وما تخفی

صدورکم اکبر• قد بینا لکم الایت ان کنتم تعقلون ○ (آل عمران : ۱۱۸)

"اے اہل ایمان! تم کسی غیر (مذہب کے آدمی) کو اپنا رازدار نہ بناؤ۔ یہ لوگ تمہاری خرابی (اور فتنہ انگیزی کرنے) میں کسی طرح کی کوتاہی نہیں کرتے اور چاہتے ہیں کہ (جس طرح ہو) تمہیں تکلیف پہنچے۔ ان کی زبانوں سے تو بغض ظاہر ہو ہی چکا ہے اور جو ان کے سینوں میں مخفی ہے وہ کہیں زیادہ ہے۔ ہم نے اپنی آیات کھول کر تمہارے سامنے بیان کر دی ہیں اگر تم عقل رکھتے ہو۔"

○ ان تمسسکم حسنتہ تسؤھم و ان تصبکم سیئتہ یفرحوابھا (آل عمران : ۱۲۰)

"اگر تمہیں آسودگی حاصل ہو تو ان کو بری لگتی ہے اور اگر تمہیں رنج پہنچے تو یہ خوش ہوتے ہیں۔"

○ ان اللہ یامرکم ان تؤدوا الامنت الی اھلھا..... (النساء : ۵۸)

"(مسلمانو!) اللہ تم کو حکم دیتا ہے کہ امانتیں اہل امانت کے سپرد کر دیا کرو۔"

یعنی ذمہ داری کے مناصب ایسے لوگوں کے سپرد کرو جو ان مناصب کے اہل ہوں جن میں بار امانت اٹھانے کی پوری پوری صلاحیت ہو۔ کلیدی اور اہم مناصب کے علاوہ دیگر عہدوں پر غیر مسلموں کو فائز کیا جا سکتا ہے۔ اسی طرح وہ مسائل جن کا تعلق ذمیوں سے ہو اس میں غیر مسلموں سے مشورہ بھی لیا جا سکتا ہے۔ عمر فاروق رضی اللہ عنہ ہمیشہ ان معاملات میں جن کا تعلق ذمیوں سے ہوتا تھا ان سے مشورے بھی لیتے تھے۔ (الفاروق ص ۲۸۳)

امام ابو حنیفہ کے نزدیک غیر مسلم اپنے ہم مذہبوں کا قاضی بھی ہو سکتا ہے لیکن اگر کوئی غیر مسلم مسلم قاضی سے اپنا فیصلہ کروانا چاہتا ہو تو وہ ایسا کر سکتا ہے (الاحکام السلطانیہ: الماوردی)

اسلامی ریاست میں حکومت پر یہ ذمہ داری بھی عائد ہوتی ہے کہ وہ اپنے علاقہ میں غیر مسلموں کے جان و مال، حقوق اور ان سے کئے گئے عہد کا پورا پورا خیال رکھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے جو شخص کسی معاہد کو قتل کرے گا (یعنی اس کافر کو جس سے جنگ نہ کرنے کا عہد کیا گیا ہو) وہ جنت کی خوشبو بھی نہ پائے گا۔
(بخاری: کتاب الجہاد والسیر)

خلیفہ دوم عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنی وفات کے وقت خلیفہ بننے والے شخص کے لئے ایک مفصل وصیت فرمائی تھی، اس کا آخری فقرہ یہ تھا۔

○..... "ذمیوں سے جو عہد کئے گئے ہوں انھیں پورا کیا جائے اور ان کی حمایت میں لڑا جائے اور ان کو ان کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہ دی جائے۔" (بخاری ایضاً کتاب الخراج)

قرون اولیٰ میں عموماً اہل اسلام بلاد مفتوحہ میں غیر مسلموں سے جو معاہدے کرتے تھے اسکی دفعات کا خلاصہ یہ تھا۔

○..... "عرب حکام اطاعت گزاری اور جزیہ[1] کے بدلے میں رعایا کے جان ومال کی حفاظت کریں گے اور انھیں مذہبی آزادی دیں گے۔"

(The Preaching Of Islam by T.W Arnold)

اسلام قبول کرنے پر بھی کوئی ذمی مجبور نہیں کیا جاتا تھا۔ عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے غلام وشیق رومی سے روایت ہے کہ وہ اس کو ہمیشہ اسلام کی ترغیب دلاتے تھے لیکن اس نے انکار کیا تو آپ نے فرمایا دین کے معاملہ میں کوئی زور زبردستی نہیں۔" (کنز العمال فی سنن الاقوال والافعال ج ۵)

جب آپ کی وفات کا وقت قریب آیا تو آپ نے اس کو آزاد کر دیا اور فرمایا کہ جہاں تیرا جی چاہے چلا جا۔
مشہور مورخ اور نقاد آرنلڈ لکھتا ہے :

○..... "اگر ذمیوں پر چند پابندیاں عائد تھیں تو انکا مقصد فقط یہ تھا کہ مقابل مذاہب کے پیروں کی باہمی کشمکش کا انسداد ہو سکے یا اس مذہبی جنون اور تعصب کو روکا جائے جو مسلمانوں کے لئے ناپسندیدہ تھا۔"

(The Preaching of Islam P-56)

۸۔ سیکولرازم

جمہوریت کا ایک نمایاں اصول سیکولرازم (SECULARISM) ہے' یعنی مذہب اور سیاست کی علیحدگی اس اصول کے تحت ملک کا کوئی سرکاری مذہب نہیں ہوتا' البتہ شہریوں کو اپنی انفرادی زندگی میں مذہبی آزادی حاصل ہوتی ہے۔ مگر اجتماعی تمدنی اور سیاسی معاملات میں مذہب کو داخل نہیں کیا جاتا۔ آج دنیا کی تقریباً تمام جمہوریتوں نے سیکولرازم کو اپنے دستور اساسی میں شامل کر لیا ہے۔ (اسلامی ریاست از گوہر الرحمٰن ص ۸۱)

---

[1] جزیہ بدل ہے اس امان اور حفاظت کا جو ذمیوں کو اسلامی حکومت میں عطا کی جاتی ہے نیز وہ علامت ہے اِس امر کی کہ یہ لوگ تابع امر بننے پر راضی ہیں۔

جمہوریت کے اس تصور کے برعکس اسلامی تعلیمات میں دین وسیاست کو جدا قرار نہیں دیا ہے بلکہ حکومت کے قیام کا مقصد ہی شریعت کا نفاذ ہوتا ہے گویا کہ "اسلامی حکومت مسلمانوں کی اس جماعت کا نام ہے جو شرعی استحقاق کی بناء پر اسلامی احکام کو زور و قوت کے ساتھ نافذ کر سکے۔" (اسلام کا سیاسی نظام از محمد اسحاق صدیقی ص ۸۹) قرآن میں اقتدار کے فرائض کو مختصراً اس طرح بیان کیا گیا ہے :

○۔۔۔الذین ان مکنھم فی الارض اقاموا الصلوٰة و اتوالزکوٰة وامروابالمعروف ونھواعن المنکر (الحج : ۴۱)

"یہ وہ لوگ ہیں کہ اگر ہم ان کو زمین میں تمکن عطا کریں تو وہ نماز قائم کریں اور زکوۃ دیں گے نیکی کا حکم دیں اور برائی سے منع کریں گے۔"

اکثر مسلم فقہاء نے اپنی تصانیف میں خلیفہ کے فرائض میں سے دینی امور سے متعلق فرائض کو نمایاں اہمیت دی ہے۔ (الاحکام السلطانیہ۔ الماوردی)

اسلام کی سربلندی واشاعت کی ذمہ داری صرف ارباب اقتدار پر ہی نہیں ڈالی گئی ہے بلکہ تمام مسلمانوں پر بھی یہ فرض ہے کہ وہ اسلام کی سربلندی کے لیے اپنے ذاتی مفادات کو قربان کردیں۔ اس سلسلے میں قرآن کی دلیل ملاحظہ ہو۔

○۔۔۔قل ان کان اباءکم وابنائکم واخوانکم وازواجکم وعشیرتکم اموال ن اقترفتموھا وتجارة تخشون کسادھا ومساکن ترضونھا احب الیکم من اللہ ورسولہ وجھاد فی سبیلہ فتربصوا حتٰی یاتی اللہ بامرہ○ واللہ لا یھدی القوم الفٰسقین○ (التوبۃ ۲۴)

"اے نبی! کہہ دو کہ اگر تمہارے باپ اور تمہارے بیٹے' تمہارے بھائی' تمہاری بیویاں اور تمہارے عزیز واقارب اور تمہارے وہ مال جو تم کماتے ہو اور تمہارے تجارتی کاروبار جن کے مندے کا تم کو خوف ہے اور تمہارے مکانات جو تم کو پسند ہیں' اللہ اور اس کے رسول' اور اس کی راہ میں جہاد کرنے سے تمہیں زیادہ عزیز ہیں' تو انتظار کرو یہاں تک کہ اللہ اپنا فیصلہ لے آئے اور اللہ فاسق لوگوں کو رہنمائی نہیں دیا کرتا۔"

مذکورہ بالا دلائل سے یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ جمہوریت خالصتاً ایک غیر اسلامی نظریہ ہے۔ اسلامی تعلیمات اور اس کے اصولوں میں کھلا تضاد اور بعد ہے لہٰذا مسلمانوں کے لیے یہ بات زیبا نہیں کہ وہ اسلامی تعلیمات واقدار کے مقابلہ میں کسی غیر اسلامی' طاغوتی نظام کو اپنائیں یا اس کے قیام واستحکام میں کسی طرح کا کوئی تعاون کریں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے :

(باقی صفحہ ۵۸ پر)

ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام

یعقوب علی

وَاِذِ ابْتَلٰٓى اِبْرٰهٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ ؕ قَالَ اِنِّىْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا ؕ قَالَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِىْ ؕ قَالَ لَا يَنَالُ عَهْدِى الظّٰلِمِيْنَ ۝ (البقرۃ: ۱۲۴)

ترجمہ:۔ اور جب ابراہیم علیہ السلام کو ان کے رب نے چند باتوں میں آزمایا اور وہ ان میں پورے اترے تو اللہ نے فرمایا "میں تمہیں انسانوں کا امام بنانے والا ہوں۔" انہوں نے عرض کیا "(اے میرے رب) میری اولاد میں سے (امام بنانا)۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا "ہمارا ظالموں سے عہد نہیں ہوا کرتا۔"

یہ آیت اللہ تعالیٰ کے عظیم المرتبت' اولوالعزم نبی ابراہیم علیہ السلام کی حیات طیبہ کا اجمالی خلاصہ پیش کرتی ہے۔ دراصل اللہ کے ایک بندہ کی کامیابی' عروج و کمال کا دارومدار صرف اور صرف اس چیز پر ہے کہ وہ اپنے رب کی اطاعت و فرمانبرداری کا حق ادا کرنے کے لئے بڑی سے بڑی اذیت و مشقت خوشدلی و خندہ پیشانی اور صبرو سکون سے برداشت کرے اور شہادت حق کی ذمہ داری سے عہدہ براہونے میں بڑی سے بڑی قربانی سے بھی دریغ نہ کرے۔ یہاں اللہ کے دین کا ایک اہم اصول بھی بیان کردیا گیا ہے: امتحان زندگی میں کامیابی اور بارگاہ رب العزت میں سرخروئی کا انحصار حسب ونسب پر نہیں بلکہ رب کی اطاعت و عبادت کا حق ادا کرنے پر ہے۔ ابراہیم علیہ السلام کو مرتبہ فضیلت اسوقت ملا جب وہ کڑی آزمائش میں پورے اترے۔ رب ذوالجلال کی یہی سنت آل ابراہیم کے لیے بھی ہے یعنی جو امتحان زندگی میں کامیاب ہو وہی وعدہ الٰہی میں شامل ہو گا۔ اس لحاظ سے ابراہیم علیہ السلام کا قصہ جہاں امتحان زندگی میں حقیقی کامیابی کے آرزو مندوں کے لئے انتہائی اہم اور قیمتی سرمایہ ہے وہاں یہ اللہ کے منصوبہ اور دعوتی مشن کی وضاحت اور اسکی تکمیل کے لئے والہانہ سعی وجہد کا اعلیٰ ترین نمونہ بھی ہے۔ قرآن میں اسکو بالتفصیل بیان کیا گیا ہے اور ۲۵ سے زیادہ سورتوں اور سو سے زیادہ آیات میں اسکا تذکرہ کر کے حیات خلیل کے اہم گوشوں کو بخوبی اجاگر کیا گیا ہے۔ یہ بات بھی قابل غور ہے کہ ربانی مشن کے لئے ابراہیم علیہ السلام کی والہانہ سپردگی اور اطاعت الٰہی میں تسلیم ورضا کے اس پیکر کی بے دریغ قربانیوں کا جس موثر و مشفقانہ انداز میں تذکرہ کیا گیا ہے اس سے آپ کی اللہ کے یہاں قدرو منزلت اور انبیاء علیہم السلام میں آپ کے نمایاں مقام کا اظہار ہوتا ہے اور یہ بھی آپ کی خصوصیت ہے کہ رب کریم نے آپ کو خلیل اللہ کے لقب سے یاد فرمایا:۔

○.....واتخذ اللہ ابراہیم خلیلا (النساء ۱۲۵)

ا۔ ابراہیم علیہ السلام کے والد کا نام تارخ اور توریت میں تارخ بن ناحور ہے لیکن قرآن نے آپ کے والد کا نام آزر بتایا ہے' جیسا کہ سورۃ الانعام میں ہے:۔

○ وانقال ابراہیم لابیہ آزر اتتخذ اصناما آلھۃ (الانعام ۷۴)

ترجمہ: اور جب ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ آزر سے کہا "کیا تم بتوں کو الہ بناتے ہو؟"

لیکن مفسرین و مفکرین نے قیاسی تاویلات کے ذریعہ ان دونوں میں تطبیق کی کوشش کی ہے۔ کیا یہ ستم ظریفی نہیں کہ تاریخ اور تحریف شدہ کتب پر اعتماد کر کے ان کو قرآن کا مد مقابل قرار دیا جائے اور پھر قیاس آرائیوں اور لغوی موشگافیوں کے ذریعہ ان میں مذکورہ باتوں کی قرآن سے تائید حاصل کرنے کی کوشش کی جائے' یا ان سے قرآن کی تصدیق کرانے کی مضحکہ خیز سعی کیجائے اور پھر دونوں میں مطابقت کی راہ تلاش کی جائے؟۔ دراصل یہ انداز فکر وہ پر پیچ اور گمراہ کن راہیں کھولتا ہے جو قرآن کی دعوت سے ہدایت حاصل کرنے میں رکاوٹ بنتی ہیں۔ صحیح اور سیدھا طریقہ تو بس یہ ہے کہ قرآن حکیم نے جب آزر کو صراحتاً باپ کہا ہے تو اسکو اسی طرح تسلیم کر لیا جائے خواہ مخواہ "وصفی" یا "اسمی" ناموں کی طویل بحث میں پڑنا یا آزر کو چچا ثابت کرنے کی کوشش کرنا محض سعی لاحاصل ہے۔ کوئی شرعی ضرورت نہیں۔

۲۔ معاشرہ وماحول:۔ ابراہیم علیہ السلام کی دعوت اور طریقہ کار کے حوالہ سے حالات وواقعات کے مطالعہ کے لئے ضروری ہے کہ اس دور کے حالات اور قوم کے عقائد و معاملات پر طائرانہ نظر ڈال لی جائے۔ مختلف تاریخی شواہد سے اندازہ کیا گیا ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کا خاندان عراق کے مشہور مرکزی شہر اُرؔ میں رہائش پذیر تھا' جو صنعت و تجارت کا مرکز تھا۔ وہ قوم عیش و عشرت کی شائق اور زر پرستی کا شکار تھی۔ مال و دولت کی فراوانی نے انہیں آخرت سے غافل اور توحید باری تعالیٰ سے یکسر ناآشنا کر دیا تھا' اور وہ بت پرستی میں بری طرح غرق ہو کر رہ گئے تھے۔ اللہ کو مانتے ضرور تھے لیکن مشکل و مصیبت میں انہی ہستیوں کو پکارتے جنکی مورتیاں عبادت گاہوں میں سجا رکھی تھیں' اور پھر شکر گذاری کے لئے ان پر نذرانے اور چڑھاوے چڑھاتے تھے۔ مادہ پرستانہ ذہنیت نے طبقاتی کشمکش کی لعنت میں بھی گرفتار کر دیا تھا۔ بتکدوں کے لئے بڑی بڑی جاگیریں وقف تھیں چنانچہ انکے دینی پیشوا جو ان معبدوں کے منتظم و منصرم تھے' بڑے بڑے جاگیردار اور سرمایہ دار بن گئے تھے۔ ان آستانوں پر نہ صرف سیم و زر کے چڑھاوے چڑھتے بلکہ آبروئیں بھی بھینٹ چڑھائی جاتیں! بدکاری اور مال و ایمان کی لوٹ کھسوٹ کے ان "مقدس مراکز" کو اقتدار کی مکمل پشت پناہی حاصل تھی' بالفاظ دیگر اس "محکمہ اوقاف" کا نظام بہرحال دینی و سیاسی رہنماؤں کے اشتراک عمل سے ہی چل رہا تھا۔ یہ تھا وہ ماحول و معاشرہ جس میں ابراہیم علیہ السلام نے آنکھ کھولی۔ وہ اپنی آنکھوں سے دیکھتے کہ لوگ جن مورتیوں کو اپنے ہاتھوں سے تراشتے ہیں' انکے آنکھ کان اور دیگر اعضا بناتے ہیں' پھر انہی کو اللہ رب العالمین کا مد مقابل ٹھہرا لیتے ہیں' اور نافع و ضار قرار دیکر بندگی کے آداب بجالاتے ہیں۔ کیسی جہالت و نادانی و ستم ظریفی ہے یہ' وہ سوچتے۔ اسکے علاوہ انکی قوم کواکب پرستی میں مبتلا نظر آتی ہے۔ انکے علماء و دانشور اس عقیدے کے حامل معلوم ہوتے ہیں کہ اجسام فلکی' شمس و قمر' کواکب و نجوم (جنکا فاصلہ لاکھوں' کروڑوں میل سے لیکر اربوں کھربوں میل بلکہ نوری سالوں[1] تک ہے) دنیوی حالات اور انسانی معاملات پر اثر انداز ہو سکتے ہیں یعنی وہ موت و حیات' نفع و نقصان' تنگدستی و خوشحالی' قحط سالی اور مال و اولاد کی کمی و زیادتی کا سبب بن سکتے ہیں۔ چنانچہ وہ ان کواکب و نجوم وغیرہ کی نظر کرم کے لئے آداب بندگی بجالاتے۔ مختصر یہ کہ وہ معاشرہ کفر و شرک کی بنیادوں پر ہی قائم تھا۔ مشرکانہ توہمات اور ان پر مبنی رسومات و تقریبات انکے باہمی تعلقات و روابط کا سبب تھیں اور ان کو ان سے بے انتہا عقیدت تھی۔ خالص

---

[1] روشنی جسکی رفتار تین لاکھ کلو میٹر فی سیکنڈ ہے ایک سال میں جو فاصلہ طے کرے وہ ایک نوری سال ہے۔

بے دینی کو دین سمجھنے والی اور اس پر فخر کرنے والی یہ قوم شدید اخلاقی زوال کا شکار تھی۔

۳۔ قوم کو دعوت: اس ماحول میں قلب سلیم رکھنے والے ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام پروان چڑھے۔ فطری طور سے آپ اپنی قوم کے سفیہانہ اعمال و عقائد اور جاہلانہ و مشرکانہ نظریات و اعمال کے خلاف شدید نفرت و بیزاری کی نفسیات لیکر سن شعور کو پہونچے۔ چنانچہ بعثت کے بعد (رشد وہدایت سے سرفراز ہو کر) سب سے پہلے اسی ام المسائل پر توجہ دی اور کفر و شرک کے شجر خبیثہ کی جڑ پر چوٹ لگائی۔ دعوت کا آغاز گھر سے ہوا۔ باپ آزر کا پجاریوں میں نمایاں مقام تھا' وہ ان مورتیوں سے بڑی شدید عقیدت رکھتا تھا۔ آپ نے نہایت ہی سادہ اور موثر انداز میں سمجھایا کہ "ابا جان! آپ ان مورتیوں کو کیوں پوجتے ہیں جو نہ دیکھ سکتی ہیں' نہ سن سکتی ہیں اور نہ آپکے کچھ کام آسکتی ہیں۔ آپ ان تراشی ہوئی مورتیوں کو نافع وضار سمجھتے ہیں' ان سے خوف کھاتے ہیں۔ کیا یہ آپ کی فریاد سن سکتی اور بگڑی بنا سکتی ہیں؟" سورہ مریم میں آپکی دعوت کو اس طرح پیش کیا گیا ہے:

○۔۔۔اذ قال لابیہ یابت لم تعبد ما لا یسمع ولا یبصر ولا یغنی عنک شیئاً ○ (مریم۔ ۴۲)

ترجمہ: جب انہوں نے اپنے باپ سے کہا "ابا" آپ ایسی چیزوں کو کیوں پوجتے ہیں جو نہ سنیں' نہ دیکھیں' اور نہ آپکے کچھ کام آسکیں۔"

ایک بندے کی کامیابی' عروج وکمال کا دارومدار صرف اور صرف اس چیز پر ہے کہ وہ اپنے رب کی اطاعت و فرمانبرداری کا حق ادا کرنے کیلئے بڑی سے بڑی اذیت و مشقت خوشدلی وخندہ پیشانی اور صبر وسکون سے برداشت کرے

سورہ انبیاء میں باپ اور قوم کی عقل و دانش پر وار کرتے ہوئے فرمایا:۔

ولقد آتینا ابراہیم رشدہ من قبل وکنا بہ علمین ○

○۔۔۔اذ قال لابیہ وقومہ ما ھذہ التماثیل التی انتم لھا عاکفون ○ (انبیاء: ۵۱' ۵۲)

ترجمہ: اور ہم نے ابراہیم علیہ السلام کو پہلے ہی سے ہدایت عطا کی تھی اور ہم ان (کے حال) سے واقف تھے۔ جب انہوں نے اپنے باپ اور قوم سے کہا "یہ کیسی مورتیاں ہیں جنکے تم لوگ گرویدہ ہو رہے ہو؟"

سورہ شعراء میں دعوت کو مزید تفصیل سے پر زور انداز میں پیش کیا گیا ہے' انداز دوٹوک اور فیصلہ کن ہے۔ باپ اور قوم کی عقل وفہم پر بھرپور چوٹ لگائی جا رہی ہے:۔

○۔۔قال افرایتم...........یوم الدین ○ (الشعراء : ۷۵ تا ۸۲)

ترجمہ: (ابراہیم نے) کہا "کیا تم نے (کبھی) غور بھی کیا ہے کہ کن چیزوں کی تم بندگی کر رہے ہو' تم بھی اور تمہارے اگلے باپ دادا بھی۔ یہ سب تو میرے دشمن ہیں' بجز ایک رب العالمین کے' جس نے مجھے پیدا کیا اور وہی مجھے راستہ دکھاتا ہے اور وہی جو مجھے کھلاتا اور پلاتا ہے اور جب میں بیمار ہوتا ہوں تو مجھے شفاء عطا فرماتا ہے اور وہی جو مجھے موت دیگا اور پھر زندگی عطا

فرمائیگا اور اسی سے میں امید رکھتا ہوں کہ یوم حساب وہ میری خطا معاف فرمائیگا۔"

اس طرح قوم کے سامنے اپنا عقیدہ کھول کر بیان کر دیا تاکہ وہ اپنے ایمان عقیدہ کا جائزہ لیں کائنات کی تمام مخلوقات کے خالق و رازق کو چھوڑ کر وہ ان خود ساختہ معبودوں کی پوجا پاٹ میں وہ اس لیے لگے ہوئے تھے کہ ان کے عقیدہ کے مطابق یہ ان کے مال و اولاد کی فراوانی کا سبب تھے' ان کو سمجھایا کہ یہ تمہیں رزق نہیں دے سکتے 'اللہ تعالیٰ ہی سے رزق کے طلبگار رہو اور اسی کی شکر گزاری کا حق ادا کرو' تمہیں اسی کے پاس پلٹ کر جانا ہے۔

○--وابراہیم...... ترجعون ○ (العنکبوت-۱۶'۱۷)

ترجمہ:- اور یاد کرو ابراہیم علیہ السلام کو جب انہوں نے اپنی قوم سے کہا "اللہ کی عبادت کرو اور اسی سے ڈرو' اگر تم سمجھ رکھتے ہو تو یہ تمہارے حق میں بہتر ہے۔ تم تو اللہ کو چھوڑ کر محض ان بتوں کو پوج رہے ہو اور جھوٹ گھڑ رہے ہو۔ (یاد رکھو) اللہ کے علاوہ جنکی بندگی کر رہے ہو وہ تمہیں کوئی رزق دینے کا اختیار نہیں رکھتے۔ پس اللہ ہی سے رزق طلب کرو اور اسی کی عبادت کرو اور اسی کا شکر ادا کرو' اسی کی طرف پلٹائے جاؤ گے۔"

قرآن میں ابراہیم علیہ السلام کی دعوت کے اس پہلو کا جو کواکب پرستی کے رد میں ہے بڑے دلچسپ اور انوکھے انداز میں ذکر کیا گیا ہے۔ پہلے مشاہداتی دلائل کے ذریعہ انکے باطل نظریے کو رد کیا اور پھر توہم پرستی اور کواکب پرستی کے شرک سے برأت کا اظہار کیا' ملاحظہ ہو:-

○--وکذالک نری ابراہیم... من المشرکین ○ (الانعام-۷۶ تا ۷۹)

ترجمہ:- اور ہم نے اس طرح ابراہیم علیہ السلام کو زمین و آسمان کے عجائبات دکھائے تاکہ وہ خوب یقین کرنے والوں میں ہو جائیں۔ پھر جب اس پر رات کی تاریکی چھا گئی تو انہوں نے ایک چمکتا ہوا ستارہ دیکھا' کہنے لگے "یہ ہے میرا رب!" پھر جب وہ غائب ہو گیا تو کہنے لگے "مجھے ڈوب جانے والے پسند نہیں۔" پھر جب چاند کو چمکتا ہوا دیکھا تو کہنے لگے "یہ ہے میرا رب!" پھر جب وہ بھی ڈوب گیا تو بول اٹھے "اگر میرے رب نے مجھے راہ نہ دکھائی تو میں ضرور ان لوگوں میں شامل ہو جاؤنگا جو راہ راست سے بھٹک گئے ہیں۔" پھر جب (صبح کو) سورج کو دیکھا کہ جگمگا رہا ہے تو کہنے لگے "یہ ہے میرا رب' یہ چاند سے بڑا ہے!" مگر جب وہ بھی غروب ہو گیا تو کہنے لگے "اے میری قوم! میں تو بیزار ہوں ان چیزوں سے جن کو تم اللہ کے ساتھ شریک ٹھہراتے ہو۔ میں نے تو (ان سب سے منہ موڑ کر) اپنا رخ اسی ہستی کی طرف کر لیا ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو بنایا ہے' میں یکسو ہوں اور مشرکوں میں سے نہیں ہوں۔"

بلاشک وشبہ یہ بے مثل انداز دعوت اور منفرد طرز استدلال ہے۔ اسکی ادبیانہ شان بھی بے مثال ہے۔ ابھرتے' چمکتے تابناک اجسام فلکی کی طرف استفہامیہ انداز میں اشارہ کر کے (دعوت و تبلیغ کے دوران) قوم کو متوجہ کرنا اور حکمت کے ساتھ (یہ کہنے کے بجائے کہ یہ تمہارا رب ہے!) یہ کہنا کہ "یہ میرا رب ہے!" اور پھر قوم کو واضح کرنا کہ اسکی سج دھج' چمک دمک اور ظاہرا شان تو ماند پڑ گئی' یہ تو ابھرنے اور طلوع و غروب ہونے والی (زمان و مکان اور تغیر کی پابند) مخلوق ہے' یہ اجسام بھلا رب کیسے ہو سکتے ہیں! قوم کے ارباب و عقل و دانش کو لاجواب کر دینے کا بالکل ہی انوکھا انداز ہے۔ لیکن افسوس! کہ عقل کے بل بوتے پر قیاس آرائی کرنے والے یا ان سے کچھ ذہنی طور سے مرعوب مفسرین نے دھوکہ کھایا' ان آیات میں پیش کردہ ادب و استدلال کے عظیم شاہکار کا حلیہ ہی بگاڑ کر رکھ دیا! اور اس کو "فکری

ارتقاء" یا "تلاش حق" کے ابتدائی مرحلہ سے تعبیر کرڈالا۔ اور بعض نے سیاق و سباق اور حکمت دعوت کے اصول کو بالائے طاق رکھکر (اسرائیلی روایات کے پس منظر میں) یہ موقف اختیار کرلیا کہ ابراہیم علیہ السلام کی پرورش کا ابتدائی دور غار میں گذرا تھا' پھر جب وہ باہر تشریف لائے تو اسوقت مشاہدہ ارض و سماء کے بعد کی ذہنی کیفیت کا اظہار ہے جو ان آیات میں پیش کیا گیا ہے۔ سیاق و سباق اور متصل آیات اس تاویل و تفسیر کی قطعاً تائید نہیں کرتیں۔ اگر ان تمام آیات پر غور کرلیا جائے جس میں ابراہیم علیہ السلام کی بے باک و دوٹوک دعوت کو پیش کیا گیا ہے تو صحیح مفہوم تک پہونچنے میں دشواری نہ ہوگی۔ دراصل بعثت کے بعد "مشاہدہ حق" کا یہ ایک انداز ہے' جس کا مقصد ایک طرف تو نبی علیہ السلام کے لئے "حق الیقین" کا درجہ فراہم کرنا تو دوسری طرف قوم پر حجت الزامی قائم کرنا ہے (یعنی قوم کے باطل نظریہ کا الفاظ میں اظہار کر کے مشاہداتی دلیل کے ذریعہ اسکو رد کرنا)۔ اس کی مزید تائید آپکی حیات طیبہ سے متعلق دوسری آیات

کیا یہ ستم ظریفی نہیں تاریخ اور تحریف شدہ کتب پر اعتماد کر کے ان کو قرآن کا مد مقابل قرار دیا جائے اور پھر قیاس آرائیوں اور لغوی موشگافیوں کے ذریعے ان میں مذکورہ باتوں کی قرآن سے تائید حاصل کرنیکی کوشش کیجائے

سے بھی ہوتی ہے۔ سورہ البقرہ کی آیت ۲۶۰ ملاحظہ کی جائے۔ ابراہیم علیہ السلام "عین الیقین" حاصل کرنے کے لیے اپنے رب سے ملتجی ہوتے ہیں "اے میرے رب' مجھے دکھا دیجئے کہ آپ مردوں کو کس طرح زندہ کرتے ہیں" فرمایا "کیا تم ایمان نہیں رکھتے؟" انہوں نے عرض کیا "کیوں نہیں! (ایمان تو ہے) لیکن اطمینان قلب مطلوب ہے..." دراصل اللہ کے نبی کو اپنی منصبی ذمہ داری سے عہدہ براہونے کے لیے ایمان بالغیب سے آگے بڑھ کر وہ یقین مطلوب ہوتا ہے جو عینی مشاہدہ یا حسی مرحلہ سے گذر کر خصوصی طور سے حاصل ہوتا ہے اور قلب و ذہن کو کسی بھی قسم کے ارتیاب سے بالکل پاک و صاف کردیتا ہے۔ وہاں اللہ تعالیٰ اپنے خلیل کی درخواست پر "عین الیقین" سے نوازتے ہیں تو یہاں خصوصی مشاہدہ افلاک کے ذریعہ وہ حجت الزامی اور قوت استدلال عطا فرمائی جاتی ہے جو کواکب پرست قوم کے عقیدہ پر بھرپور چوٹ لگا سکے۔ اسی طرح بتوں کو توڑنے کے بعد لوگوں کے ساتھ مکالمہ بھی اسی طرز استدلال کا ایک انداز ہے' جس پر مزید گفتگو آئندہ سطور میں ہوگی۔ ان آیات سے متصل آیت ۷۴ میں ابراہیم علیہ السلام اپنے باپ اور قوم کو گمراہ قرار دیتے ہیں اور پھر مشاہدہ کواکب والی آیات میں انکے توہمانہ نظریہ پر چوٹ لگاتے ہیں۔ اس سے یہ بات ثابت ہوجاتی ہے کہ یہ بعثت کے بعد ہی کا مشاہدہ ہے۔ اس کی مزید تائید اس بات سے ہوتی ہے کہ تیسرے مشاہدہ کے بعد روئے تخاطب قوم کی طرف ہوجاتا ہے۔ چنانچہ آخر میں آپ قوم کے مشرکانہ نظریات سے برأت و بیزاری کے بعد خالق ارض و سماء کی بندگی پر یکسوئی کا اعلان فرماتے ہیں۔ اس پس منظر میں یہ بات بھی واضح ہوجاتی ہے کہ "ھذا ربی" کے الفاظ اثباتی یا استفہامی نہیں بلکہ محض استعجابی ہیں۔ ایسے الفاظ عموماً اوسوقت استعمال ہوتے ہیں جب اپنے عقیدہ یا موقف کو مشاہداتی دلیل کے ذریعہ تقویت پہونچانا مقصود ہو اور مخالف کے نظریہ کو رد کرنا مطلوب ہو۔ دوسری جگہ کچھ اسی قسم کا انداز ہمارے سامنے آتا ہے جب بتکدہ میں جاکر آپ پہلے بتوں سے مخاطب ہو کر فرماتے ہیں: "الا تاکلون (آپ لوگ کھاتے نہیں؟) اور "مالکم لا تنطقون (تمہیں کیا ہوگیا ہے' تم بولتے کیوں نہیں)"

اس طرح حجت الزامی کی مختلف شکلیں ہمارے سامنے آ رہی ہیں۔ مشاہدہ کوکب میں انکے عقیدہ کو الفاظ میں بیان کر کے مشاہداتی دلیل کے ذریعہ رد کیا تو دوسری طرف بتوں کو توڑ کر قوم پر حجت قائم کی کہ دیکھو! یہ ہیں تمہارے مشکل کشا و حاجت روا جو اپنی مشکل کشائی بھی نہیں کر سکتے۔ آیات مذکورہ کے بعد اللہ تعالیٰ نے کواکب پرست قوم کی بحث و تمحیص کا ذکر فرما کے قوم پر قائم کردہ حجت کا تذکرہ اس طرح فرمایا:۔

○ــ وتلک حجتنا آتینھا ابراہیم.... (الانعام ۸۳)

ترجمہ:۔ اور یہ ہماری وہ حجت (دلیل) تھی جو ہم نے ابراہیم علیہ السلام کو عطا کی اس کی قوم کے مقابلہ میں۔ ہم جسے چاہتے ہیں بلند درجات عطا فرماتے ہیں۔ بے شک تمہارا رب حکیم و علیم ہے۔

الغرض ان تمام آیات کے باہمی ربط و تسلسل کو ملحوظ رکھتے ہوئے مشاہدہ کوکب والی آیات کی وہی تشریح درست ثابت ہوتی ہے جو درج بالا سطور میں کی گئی ہے' پھر کسی قسم کی غیر ضروری و غیر شرعی تاویل و قیاس آرائی کوئی ضرورت و گنجائش باقی نہیں رہتی۔

۴۔ دعوت کا جواب:۔ جیسا کہ درج بالا سطور سے واضح ہے ابراہیم علیہ السلام کی دعوت انتہائی مدلل' بے باک اور بہی خواہی کے جذبات سے سرشار تھی۔ خصوصاً آپ نے اپنے باپ کو انتہائی محبت ادب و احترام سے ایمان کی دعوت دی' پورے دلائل کے ساتھ انکے سامنے دین حق پیش کیا اور اللہ کی پکڑ سے ڈرایا۔ لیکن دعوت حق قبول کرنے کی بجائے اس نے انتہائی جہالت اور ہٹ دھرمی کی روش اختیار کی' سلیم الطبع اور فرمانبردار بیٹے کی مخلصانہ دعوت و نصیحت کا جواب ظالمانہ تشدد سے دیا یہاں تک کی سنگسار کرنے کی دھمکی دی اور گھر چھوڑنے پر مجبور کر دیا۔ اللہ تعالیٰ کی نعمت "ہدایت و رحمت" کے ناقدرے بد نصیب انسانوں کا یہی طرز عمل ہوتا ہے' جو ان کو جہنم کے بھڑکتے شعلوں کا سزاوار و مستحق بناتا ہے۔ قرآن کے الفاظ ملاحظہ ہوں:۔

○ــ یٰابت انی قد جاءنی.... للشیطٰن ولیا ○ (مریم ۴۳ تا ۴۵)

ترجمہ:۔ اے میرے ابا' مجھے ایسا علم ملا ہے جو آپکو نہیں ملا۔ آپ میری پیروی کریں' میں آپکو سیدھی راہ بتاؤنگا۔ اے ابا' آپ شیطان کی بندگی نہ کریں' شیطان تو رحمٰن کا نافرمان ہے۔ اے میرے ابا' مجھے ڈر ہے کہ کہیں آپ رحمٰن کے عذاب میں مبتلا نہ ہو جائیں پھر شیطان ہی کے ساتھی بنکر رہ جائیں۔"

اب اس خلوص و بہی خواہی سے سرشار' دل کی گہرائی سے نکلے ہوئے الفاظ میں ڈھلے ہوئے جذبات کا جواب بھی ملاحظہ ہو:۔

○ــ اراغب انت عن الھتی..... ○ (مریم ۴۶)

ترجمہ:۔ اس (باپ) نے کہا "اے ابراہیم" کیا تو میرے معبودوں سے برگشتہ ہو گیا ہے؟ اگر تو باز نہ آیا تو میں تجھے سنگسار کر دونگا۔ اور (اب) تو ہمیشہ کے لئے مجھ سے الگ ہو جا۔"

اس غیور و فرمانبردار بیٹے کے لئے گھر چھوڑ دینے کے سوا کوئی چارہ کار نہیں کیونکہ باپ کی اطاعت پر اطاعت الٰہی کو فوقیت حاصل ہے۔ لہٰذا شق القلب باپ کے حکم پر ابراہیم علیہ السلام گھر سے نکل جاتے ہیں' نہ کوئی گلہ ہے نہ شکوہ' دل میں باپ کی محبت ہے اور جذبہ خیر خواہی۔ چنانچہ مفارقت کے وقت اس کا اظہار ہو رہا ہے:۔

○ــ قال سلٰم علیک سأستغفر لک ربی انہ کان بی حفیا ○..... (مریم ۴۷)

ترجمہ:۔ ابراہیم علیہ السلام نے کہا "سلام ہے آپ پر میں اپنے رب سے آپ کے لیے مغفرت کی دعا کرونگا" بیشک وہ مجھ پر نہایت مہربان ہے۔

گھر چھوڑ دینے کے بعد قوم کی طرف پوری توجہ ہے۔ آفاق و انفس کے شواہد کے ذریعہ سنجیدہ اور ٹھوس دلائل کے ساتھ دعوت توحید پیش کی جا رہی ہے اور کفر و شرک اور ہٹ دھرمی کی روش پر بد انجامی سے ڈرایا جا رہا ہے۔ لیکن اس مدلل اور شائستہ خطاب کے جواب میں قوم کی طرف سے ایک ہی عذر لنگ ہے کہ ہمارے آباؤ اجداد بھی یہی کرتے رہے ہیں:

○۔۔قالوا وجدنا اباءنا لها عابدین.......... (الانبیاء۔ ۵۳)

ترجمہ:۔ انہوں نے جواب دیا "ہم نے اپنے باپ دادا کو انکی عبادت کرتے پایا ہے"

ایک طرف ابراہیم علیہ السلام موثر و محکم دلائل و براہین کا حق ادا کرنے کے بعد اپنی یکسوئی کا اظہار فرماتے ہیں اور قوم کے مشرکانہ عقائد پر مبنی دین سے برأت و بیزاری کا اعلان فرماتے ہیں' جیسا کہ درج بالا سطور میں آچکا ہے (الانعام ۷۹'۸۰)' تو دوسری طرف طاغوت کی پرستار قوم اپنی بے دینی اور توہم پرستی کے جواز کے لئے آباؤ اجداد اور بزرگان دین کو سہارا بناتی ہے' یہاں تو تمام دلائل بے سود ثابت ہوتے ہیں' البتہ عزم کی زبان میں دوٹوک فیصلہ ہی کچھ اثر کر سکتا ہے۔ چنانچہ ابراہیم علیہ السلام نے انتہائی ہمت و جرأت کے ساتھ اکابر پرستی کے شجر خبیثہ کی جڑ پر بھرپور چوٹ لگاتے ہوئے فیصلہ سنایا:

○....لقد کنتم انتم و آباءکم فی ضلال مبین ○...... (الانبیاء۔ ۵۴)

ترجمہ:۔ بلاشبہ تم گمراہ ہو اور تمہارے باپ دادا بھی صریح گمراہی میں مبتلا تھے۔

دراصل اللہ کے نبی کو اپنی منصبی ذمہ داری سے عہدہ برآمد ہونے کے لیے ایمان بالغیب سے آگے بڑھ کر وہ یقین مطلوب ہوتا ہے جو عینی مشاہدے یا حسی مرحلے سے گذر کر خصوصی طور سے حاصل ہوتا ہے

یہاں ابراہیم علیہ السلام کی جرأتمندی اپنی مثال آپ ہے وہ تمام ہستیاں جو قوم کی عقیدت و محبت کا مرکز تھیں جن کی دینداری' علم و دانش کا قوم کے دلوں پر سکہ بیٹھا ہوا تھا وہ سب کی سب گمراہ (جہنمی) قرار دیدی گئیں۔ پھر اسی پر بس نہیں بلکہ ہٹ دھرم قوم کو دھمکی بھی دی گئی کہ:۔

○۔۔وتاللہ لاکیدن اصنامکم بعد ان تولوا مدبرین ○ (الانبیاء۔ ۵۷)

ترجمہ:۔ اور اللہ کی قسم میں ضرور تمہارے بتوں کی خبر لونگا جب تم پیٹھ پھیر کر چلے جاؤ گے۔

اب کچھ قوم کی آنکھیں کھلتی ہیں' اور انکے علماء و دیگر پیشواء اور سرداروں کو احساس ہوتا ہے کہ ان کے تو سارے ہی ہتھیار بیکار ہو گئے' ابراہیم علیہ السلام کے مدلل خطاب کا جواب دینے کے لئے انکے پاس کچھ بھی نہ رہا تو وہ جھگڑے اور کٹ حجتی پر اتر آئے اور اپنے مفروضہ معبودوں سے آپ کو ڈرانے لگے۔ ابراہیم علیہ السلام نے جواب دیا "کیا تم مجھ سے اللہ کے معاملہ میں جھگڑتے ہو' جس نے مجھے

ہدایت عطا فرمائی ہے۔ میں ان سے نہیں ڈرتا جنکو تم اللہ کے ساتھ شریک ٹھہراتے ہو۔ میرا تو یہ عقیدہ ہے کہ اللہ کی مشیت سے ہی مجھے کوئی نقصان پہونچ سکتا ہے ورنہ نہیں۔ ذرا سوچو تو سہی کہ حقیقی رب کی نافرمانی کرتے ہوئے اسکے ساتھ بناوٹی معبودوں کو شریک ٹھہراتے ہوئے (جس کے لیے تمہارے پاس کوئی بھی دلیل و بنیاد نہیں) تمہیں کوئی خوف نہیں آتا پھر مجھ سے یہ توقع رکھتے ہو کہ میں الہ واحد کا پرستار اور دعوت توحید کے ذریعہ عالمگیر امن و سکون کے مشن کا علمبردار ہوتے ہوئے تمہارے ان جعلی معبودوں سے خوفزدہ ہو جاؤں! کاش تم اس بات کو سمجھو کہ مفسد اور شرپسند کون ہے اور مصلح و امن پسند کون! نادانو! شر و فساد کی جڑ تو کفر و شرک ہے اور یوم حساب سے بے پرواہی جبکہ امن و سکون کی بنیاد تو صرف اور صرف خالص توحید باری تعالیٰ اور یوم آخرت پر یقین ہے۔ قرآن کے الفاظ میں:-

○...وحاجه قومه...... حكيم عليم......(الانعام-۸۰ تا ۸۳)

ترجمہ:- ان کی قوم ان سے حجت کرنے لگی تو انہوں نے کہا "کیا تم مجھ سے اللہ کے بارے میں حجت کرتے ہو؟ اسی نے تو مجھے ہدایت عطا فرمائی ہے اور میں ان سے نہیں ڈرتا جنکو تم اسکا شریک ٹھہراتے ہو مگر میرا رب ہی کچھ نقصان پہنچانا چاہے (تو بات اور ہے) میرا رب اپنے علم سے ہر چیز کا احاطہ کئے ہوئے ہے کیا تم نصیحت حاصل نہیں کرتے؟ بھلا میں ان چیزوں سے کیسے ڈروں جنکو تم (اسکا) شریک بنائے ہوئے ہو جبکہ تم اللہ کے ساتھ شریک ٹھہراتے ہوئے نہیں ڈرتے جسکی اس نے کوئی سند نازل نہیں فرمائی۔ ذرا سوچو تو سہی کہ کونسا فریق (دعوائے) امن کا زیادہ حقدار ہے اگر تم علم و بصیرت والے ہو۔ جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے اپنے ایمان کو (شرک کے) ظلم سے آلودہ نہ کیا انہی کے لئے امن ہے اور وہی راہ ہدایت پر ہیں۔" اور یہ ہماری حجت (دلیل) ہے جو ہم نے ابراہیم علیہ السلام کو انکی قوم پر دی تھی ہم جسکو چاہتے ہیں درجات بلند کر دیتے ہیں۔ بیشک تمہارا رب حکیم و علیم ہے۔

۵۔ فیصلہ کن اقدام:- اس طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے عظیم الشان حجت کا ذکر فرمایا جو ابراہیم علیہ السلام کی مدلل دعوت اور حکمت تبلیغ کے جامع آداب سے آراستہ آپ کے خطاب کی شکل میں پیش کی گئی اور جس نے اس قوم کے علماء و فقہاء کو لاجواب کر دیا۔ پھر بھی انکے مولوی، پیر اور سردار باطل پروپیگنڈے کے بل پر قوم کے ذہن پر چھائے رہے اور مشاہدہ و فطرت پر مبنی انتہائی سادہ لیکن موثر دلائل و براہین کے باوجود قوم نے دعوت کو قبول نہ کیا اور وہ اصنام و کواکب پرستی کی لعنت میں من حیث القوم گرفتار رہی تو ایک فیصلہ کن اقدام ناگزیر ہو گیا۔ ابراہیم علیہ السلام نے جرات و بے باکی سے قوم کو پہلے ہی متنبہ کر دیا تھا کہ تمہارے بتوں کے ساتھ چال چلوں گا (الانبیاء-۵۷) جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا۔ اب اللہ نے وہ موقعہ عنایت فرمایا۔ ان کے قومی تہوار کا دن آگیا۔ شہر سے باہر میلہ میں شرکت کے لئے جاتے ہوئے ابراہیم علیہ السلام کو بھی دعوت دی گئی۔ آپ نے انتہائی فراست سے کام لے کر آسمان کی طرف نگاہ اٹھائی اور فرمایا "انی سقیم" یعنی میں کچھ علیل ہوں۔ لوگوں نے ظاہرا صورتحال پر رائے قائم کر لی اور چھوڑ کر میلہ میں چلے گئے۔ اب جبکہ پوری قوم بشمول علماء، پیر اور سردار وغیرہ اور بادشاہ وقت میلہ اور جشن منانے میں مگن تھے ابراہیم علیہ السلام کے پہلے سے تیار شدہ منصوبہ کو عملی جامہ پہنانے کا مناسب وقت آگیا۔ چنانچہ آپ انکے بت کدہ میں داخل ہوئے اور بتوں کو پاش پاش کر ڈالا۔

ؒ قرآن اس صورت حال کو واضح کرتا ہے: "فامن له لوط" یعنی دعوت ابراہیم علیہ السلام پر لوط نے ہی لبیک کہا تھا۔

○۔۔فراغ الی الھتھم..... بالیمین (الصافات ۹۱ تا ۹۳)

○۔۔فجعلھم جذاذا....... یرجعون (الانبیاء ۵۸)

ترجمہ :۔ پس وہ (ابراہیم) ان کے معبودوں میں جا گھسے اور بولے "کیا تم کھاتے نہیں ہو؟۔ تم کو کیا ہوا تم بولتے کیوں نہیں ہو؟۔ پھر پوری قوت سے ان پر چوٹیں لگائیں۔ پھر انکو ٹکڑے ٹکڑے کرکے رکھدیا' سوائے ان میں سے بڑے کے (جسکو اسلئے چھوڑا) کہ وہ اسکی طرف رجوع کریں۔

جب لوگ میلہ سے واپس آئے اور اپنے معبودوں (بناوٹی داتاؤں اور دستگیروں) کا یہ حال دیکھا تو سخت برہم ہوئے اور ایک دوسرے سے پوچھنے لگے کہ "یہ کیا ہوا اور کس ظالم نے کیا؟" ان میں کچھ ایسے لوگ بھی ہونگے جنھوں نے ابراہیم علیہ السلام کے الفاظ (اللہ کی قسم تمہارے بتوں کی خبر لونگا) سنے ہوئے تھے' چنانچہ انہوں نے بتادیا کہ یہ ابراہیم نامی شخص کا کام ہے' وہی تو ہمارے معبودوں کا دشمن ہے۔ قرآن کے الفاظ ملاحظہ ہوں:

○۔۔قالوا من فعل..... لعلھم یشھدون○ (الانبیاء ۵۹ تا ۶۱)

ترجمہ :۔ وہ کہنے لگے "ہمارے معبودوں کا یہ حال کس نے کیا ہے' بلاشبہ وہ ظالموں میں سے ہے۔ (بعض) کہنے لگے کہ ہم نے ایک جوان کو ان کا ذکر (برائی کے ساتھ) کرتے سنا ہے' اسکو ابراہیم کہا جاتا ہے۔ انہوں نے یعنی پیشواؤں اور سرداروں نے (غیظ و غضب کا اظہار کرتے ہوئے) کہا کہ اسکو مجمع کے سامنے لے آؤ تاکہ لوگ اسکو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں۔

چنانچہ ابراہیم علیہ السلام کو لایا گیا اور ان سے جواب طلبی کی گئی۔ اس بے باک اور جرأتمند مجاہد کو اسی موقع کا انتظار تھا' اب ان کے منصوبہ کی تکمیل کا وقت آگیا تھا۔ ان نام نہاد دانشوروں کے بے بنیاد و جاہلانہ عقیدہ اور طاغوتی نظام پر بھرپور چوٹ لگانے اور مذہبی ٹھیکیداروں کے فریب کو طشت ازبام کرنے کا موقع اللہ تعالیٰ نے عنایت فرمادیا تھا۔ قرآن کے الفاظ ہیں :۔

○۔۔قالوا انت فعلت..... ینطقون○.... (الانبیاء ۶۲ تا ۶۵)

ترجمہ :۔ انہوں نے کہا کہ "اے ابراہیم کیا تم نے ہمارے معبودوں کے ساتھ یہ کیا ہے؟" آپ نے فرمایا "بلکہ ان میں سے جو بڑا ہے یہ اس نے کیا ہے' انہی سے دریافت کرلو اگر یہ بولتے ہوں۔" انہوں نے دلوں میں سوچا اور کہا (یعنی ضمیر نے گواہی دی) "بے شک تم ہی ظالم ہو!" پھر اپنے سروں کو جھکا کر کہنے لگے۔ "(اے ابراہیم) تم خوب جانتے ہو یہ بولتے نہیں"

یہ حق کی زبردست فتح تھی' قوم کے بڑے اور چھوٹے معترف ہوگئے کہ ابراہیم علیہ السلام کا موقف درست ہے اور وہ خود من حیث

جب سرداروں' ملاؤں اور مفکروں کے پاس اپنے دین اور نظریات کے دفاع میں کوئی دلیل نہ رہی تو احساس ندامت و حقارت نے غیظ و غضب اور انتقامی ردعمل کا روپ دھارا

القوم باطل عقیدہ اپنائے ہوئے ہیں اور انکے دین کی سرے سے کوئی بنیاد ہی نہیں۔ ابراہیم علیہ السلام نے اس موقع سے بھرپور فائدہ اٹھایا

اور اتمام حجت کا حق ادا کر دکھایا۔ فوراً ہی دوسرا وار کیا۔

○ افتعبدون..... افلا تعقلون○ (الانبیاء ۶۶-۶۷)

ترجمہ۔ پھر کیا تم اللہ کو چھوڑ کر ان کو پوجتے ہو جو نہ تمہیں کچھ نفع پہنچا سکیں اور نہ نقصان۔ تف ہے تم پر اور تمہارے ان معبودوں پر جنکو اللہ کو چھوڑ کر پوج رہے ہو۔ کیا تم عقل سے کام نہیں لیتے۔

وار بھرپور اور کارگر تھا۔ یہ مرحلہ ایک موڑ ثابت ہو سکتا تھا لیکن احبار و رہبان جو کفر و شرک کے شجر خبیثہ پر آشیانے سجائیں وہ کیسے چین سے بیٹھیں گے' وہ تو راہ حق کے رہزن ہوتے ہیں' لوگوں کو صراط مستقیم کی طرف کب آنے دیتے ہیں۔ چنانچہ آخرت سے بے پرواہ عوام نے ان کے دباؤ میں آکر یہ قیمتی موقعہ گنوا دیا اور ضمیر کی آواز کو دبا دیا۔ دین کے ٹھیکیداروں کے اکسانے پر حق کی مخالفت اور باطل کی حمایت پر اڑ گئے۔ دوسری طرف' اس تحریک کے حالات و واقعات حاکم وقت کے کان تک پہونچے۔ اس زمانہ میں عراق کے حکمرانوں کا لقب نمرود ہوتا تھا۔ وہ تو خود اس دین کا سرپرست تھا جس میں اسکی خدائی کے جھنڈے بلند ہو رہے تھے' لوگوں کے دلوں میں بتوں سے زیادہ ان زندہ معبودوں کا ادب و احترام تھا اور ان کی بندگی کے آداب بجالائے جاتے تھے۔ وہ یہ صورتحال کیسے گوارا کرتا جس میں اسکے اقتدار اور خدائی کو خطرہ لاحق ہو۔ الغرض' ابراہیم علیہ السلام کو دربار میں طلب کیا گیا اور ان سے ان کے موقف کے بارے میں مباحثہ ہوا۔ قرآن نے اسکی منظر کشی فرمائی ہے:۔

○ الم تر الی الذی..... لا یھدی القوم الظلمین ○...(البقرہ۔ ۲۵۸)

ترجمہ۔ کیا تم نے اس شخص کے رویہ پر غور نہیں کیا جس کو اللہ تعالیٰ نے اقتدار عطا فرمایا تھا اور اس نے ابراہیم علیہ السلام سے اس کے رب کے بارے میں بحث کی۔ جب ابراہیم علیہ السلام نے کہا "کہ میرا رب تو وہ ہے جو زندگی عطا فرماتا ہے اور موت دیتا ہے" تو اس نے کہا "زندگی اور موت تو میں دیتا ہوں" ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا "اچھا" اللہ تعالیٰ سورج کو مشرق سے نکالتا ہے تو تم اسے مغرب سے نکال کر دکھادو۔ (اس پر) وہ کافر مبہوت ہو کر رہ گیا۔ اور اللہ ظالموں کو ہدایت عطا نہیں فرمایا کرتا۔

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ ابراہیم علیہ السلام نے نمرود کے سامنے الہ واحد کی بندگی کی دعوت پیش کی جو صریحاً نمرود کی خدائی اور اسکے اقتدار کے لئے کھلا چیلنج تھا۔ اس نے گفتگو میں اپنی خدائی کے دعوے کو برقرار رکھنے اور خود کو معبود ثابت کرنے کی سعئی لاحاصل کی۔ ابراہیم علیہ السلام نے جواب میں دلیل پیش کی کہ میرا رب وہ ہے جو موت و حیات پر قادر ہے۔ موت و حیات پر قدرت رب ذوالجلال کی صفت خاصہ ہے ابراہیم علیہ السلام نے یہ دلیل دے کر ثابت کیا کہ میرا رب جو خالق کل ہے موت و حیات کے نظام کا بھی خالق ہے جبکہ اے نادان! تو محض مخلوق ہے' مجبور ہے اور موت و حیات کے نظام کا پابند ہے' تو بھی اور تیرے آباد اجداد بھی۔ تو کسی چیز کا خالق نہیں' رب کیسے ہو سکتا ہے! یہ جوہری دلیل ناقابل تردید تھی لیکن نمرود نے لوگوں کو مغالطہ دینے کے لئے فریب کارانہ انداز اختیار کیا اور کہا کہ ایک قیدی۔ جس کے لیے فیصلہ دار ہو چکا ہے میں اسکو آزاد کرتا ہوں اور ایک آزاد آدمی کو سولی پر چڑھاتا ہوں تو اس طرح میں موت و حیات پر قادر ہو گیا۔ ابراہیم علیہ السلام نے اسکے جاہلانہ استدلال پر مزید بحث نہ کی کیونکہ اس طرح موت و حیات کا سیدھا سادھا مشاہداتی مسئلہ عام لوگوں کے لیے کچھ زیادہ پیچیدہ ہو جاتا اور مزید الجھ جاتا' عوام کو مغالطہ میں ڈالنے کی راہ ہموار ہو جاتی اور اس فریب کار کا مقصد پورا ہو جاتا۔ لہٰذا آپؑ نے فوراً ہی دوسرا وار کر دیا کہ "میرا رب تو سورج کو مشرق سے نکالتا ہے' تو ذرا اسے مغرب سے نکال کر دکھا

دے۔"اس پر نمرود لاجواب ہو گیا۔دراصل نمرود دعوائے ربوبیت کے باوجود آفاق و انفس کا خالق و مدبر ہونے کا دعویدار نہ تھا۔ شمس و قمر
اور کواکب کی الوہیت کے خلاف ابراہیم علیہ السلام کے دلائل بھی اسکے علم میں ہو نگے لہٰذا ابراہیم علیہ السلام کی دلیل کا کوئی جواب نہ دے
سکا۔اس سلسلہ میں منکرین و معترضین اور ان سے مرعوب لوگوں کا یہ شوشہ محض لچر اور سطحی ہے کہ اگر نمرود یہ کہہ دیتا کہ سورج کو مشرق
سے میں نکال رہا ہوں' تم ذرا اپنے رب سے کہہ کر اس کو مغرب سے طلوع کرا دو تو ابراہیم علیہ السلام کے پاس اسکا کیا جواب ہوتا؟۔
دراصل ایک مادہ پرست ملحد کے ذہن میں ہی ایسا شک و شبہ پیدا ہو سکتا ہے۔ایک سچے مومن کے ذہن میں تو اسکا شائبہ بھی نہیں آسکتا
کیونکہ یہ مناظرہ بظاہر نمرود اور ابراہیم علیہ السلام کے درمیان تھا لیکن فی الحقیقت اسکا یہ معاملہ رب ذوالجلال سے تھا اور انسانوں کے سینہ
میں پیدا ہونے والے خیالات و وسوسے بھی اس علام الغیوب سے پوشیدہ نہیں۔اس کو خوب معلوم تھا کہ اس عاجز و بے بس مخلوق کے ذہن
و ادراک کی پہنچ کہاں تک ہے۔بالفرض محال' نمرود اگر یہ سوال کر بھی دیتا تو کیا اللہ تعالیٰ ایسا مجبور ہے اور اپنے بنائے ہوئے قانون کے
آگے بے بس کہ وہ معجزے کے طور پر سورج کو مغرب سے نہ نکال سکتا تھا؟۔کم از کم ایک نبی کے ذہن میں تو اس قسم کے ارتیاب کی معمولی
سی لہر بھی نہیں آسکتی۔

۶۔امتحان خلیل (پہلا مرحلہ):۔ الغرض ابراہیم علیہ السلام نے عوام و خواص میں دعوت الی اللہ کا حق ادا کر دیا اور بت شکنی کے
فیصلہ کن اقدام کے بعد تو ان پر اتمام حجت ہو گیا۔جب سرداروں' ملاؤں اور منکروں کے پاس اپنے دین اور نظریات کے دفاع میں کوئی
دلیل نہ رہی تو احساس ندامت و حقارت نے غیظ و غضب اور انتقامی رد عمل کا روپ دھارا۔ایک جان کے سب ہی درپے آزار ہو گئے'
عوام' بادشاہ اور خود انکا باپ۔ مگر اللہ کے خلیل کا قلب و ذہن سکون و طمانیت کی نعمت سے مالا مال تھا۔ان کو نہ کسی قسم کا خوف و ہراس تھا
اور نہ کسی سے گلہ و شکوہ۔وہ ہر قسم کے لومۃ لائم سے بے نیاز ہو کر اعلان حق اور دعوت رشد و ہدایت میں مشغول رہے۔ آخر کار قوم کا
متفقہ فیصلہ ہوا کہ معبودوں کی اہانت اور آبائی دین کی مخالفت کی سزا میں ابراہیم علیہ السلام کو بھڑکتی آگ کے الاؤ میں بھسم کر دیا جائے۔
چنانچہ آگ کا الاؤ تیار کیا گیا اور آپ کو اس میں ڈال دیا گیا۔اوسوقت بھی ابراہیم علیہ السلام کو نہ کوئی گھبراہٹ تھی اور نہ پریشانی' بس اللہ
پر توکل اور زبان پر "حسبنا اللہ و نعم الوکیل (ہمارے لیے اللہ کافی ہے اور وہ بہترین کارساز ہے) کے الفاظ تھے۔ بخاری کتاب
التفسیر (سورۃ آل عمران) میں ہے کہ ابراہیم علیہ السلام نے یہ الفاظ اوسوقت کہے جب آپکو آگ میں ڈالا گیا اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم
(اور ان کے ساتھیوں نے) یہ آیت تلاوت فرمائی جب منافقوں نے مسلمانوں کو خوفزدہ کرنے کے لیے کہا تھا کہ "تم سے لڑنے کے لیے بہت
سے لوگ جمع ہو گئے ہیں" (آل عمران ۱۷۳)۔یاد رہے کہ رب ارض و سماء کو مخالفین حق کے مقابلہ کے لئے آسمانی لشکر ہی بھیجنا ضروری
نہیں' آگ کو جلانے کی تاثیر عطا فرمانے والے نے آگ کو حکم دیا "اے آگ ٹھنڈی ہو جا ابراہیم علیہ السلام پر' اور اس کے لئے سلامتی
بن جا۔"چنانچہ آگ "برد و سلام" ہو گئی اور ابراہیم علیہ السلام کو کوئی گزند نہ پہونچا۔ قرآن کے الفاظ ملاحظہ ہوں:۔

○--قالوا حرقوہ....الاخسرین ○ (الانبیاء۔۶۸ تا ۷۰)

ترجمہ:۔وہ کہنے لگے "جلا ڈالو اسکو اور حمایت کرو اپنے معبودوں کی' اگر تم کچھ کرنا ہی چاہتے ہو۔" ہم نے کہا "اے آگ تو
ٹھنڈی ہو جا ابراہیم پر اور سلامتی بن جا۔" انہوں نے ابراہیم علیہ السلام سے تھ چال چلی اور ہم نے انہیں نامراد کر دیا۔

ہر چند کہ مرکب عقل و دانش کی رسائی یہاں ممکن نہیں' لیکن وحی الہی پر ایمان رکھنے والے کے لئے اس معجزہ کو تسلیم کر لینے میں

کوئی دشواری نہیں ہوتی۔ عقیدت کے کھونٹے پر رقص کرنے والوں کو فائر پروف لباس اور لوشن کا سہارا لینا پڑتا ہے لیکن اللہ کی ربوبیت و قدرت کاملہ پر کما حقہ ایمان رکھنے والے کے لئے اتنی توجیہ کافی ہوتی ہے کہ آگ کے خالق نے چند لمحوں کے لئے آگ کی تاثیر کو معجزانہ طور پر سلب کر لیا یعنی اسکو ابراہیم علیہ السلام کے لیے بے اثر کر دیا (جسطرح آگ فائر پروف پر بے اثر ہو جاتی ہے)۔ نظام اسباب کا خالق اس پر پوری طرح قادر ہے کہ معجزہ کے طور پر مافوق الفطرت یعنی نظام اسباب و فطرت سے بالاتر کوئی عمل کر دکھائے۔ یہ بات ان کی سمجھ میں نہیں آئی۔ انجام کار دشمنان حق کی چالیں ناکام ہوئیں' ان کے خالق نے انکی تدبیروں کو بے اثر کر دیا۔ اتمام حجت کے بعد ابراہیم علیہ السلام کے وہاں ٹھہرنے کی ضرورت نہ رہی چنانچہ آپ نے ہجرت کا ارادہ فرمایا:

○۔۔وقال انی ذاھب الی ربی سیھدین ○۔۔۔۔۔۔۔ (الصافات ۹۹)

ترجمہ:۔ ابراہیم علیہ السلام نے کہا میں "اپنے رب کی طرف جاتا ہوں وہی میری رہنمائی فرمائیگا۔"

یعنی آپ نے واضح فرمایا کہ اب میں کہیں اور پیغام ربانی سناؤنگا' اللہ کی زمین وسیع و عریض ہے اور میرا کام پیغام ہدایت پہونچانا ہے' وہ مجھے جہاں بھی لے جائیگا وہاں جاؤنگا۔ یہ قافلہ راہ حق تین افراد پر مشتمل ہے' آپکے ہمراہ آپکی زوجہ محترمہ سارہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور آپکے بھتیجے لوطؑ[1] جو بعد میں منصب نبوت پر سرفراز فرمائے گئے۔ لوطؑ کی ہجرت کا ذکر قرآن میں فرمایا گیا ہے:

○۔۔فآمن لہ لوط فقال انی مھاجر الی ربی انہ ھو العزیز الحکیم ○۔۔۔۔ (العنکبوت ۲۶)

ترجمہ:۔ پس لوط اس پر ایمان لایا اور کہنے لگا "میں اپنے رب کیطرف ہجرت کرنے والا ہوں' بیشک وہ غالب ہے' حکمت والا"

ابراہیم علیہ السلام نے علیحدگی کے وقت اپنے باپ سے دعائے مغفرت کا وعدہ کیا تھا' اسکو پورا کرتے رہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے واضح کر دیا کہ اللہ کے دشمن کے لئے استغفار سعی لاحاصل ہے تو اس وقت آپؑ نے اس سے برأت کا اظہار کیا۔ دعا کے الفاظ قرآن میں مذکور ہیں:

○۔۔ربنا اغفرلی۔۔۔۔۔ الحساب ○ (ابراہیم ۴۱)

○۔۔واغفر لابی۔۔۔۔۔ بقلب سلیم ○ (الشعراء ۸۶ تا ۸۹)

ترجمہ:۔ اے ہمارے رب' روز قیامت ہمیں میرے والدین اور تمام مومنوں کو معاف فرما دینا۔ اور میرے باپ کو معاف فرما دیجئے' بے شک وہ گمراہ لوگوں میں سے ہے۔ اور مجھے اس دن رسوا نہ کرنا جبکہ نہ کوئی مال فائدہ دے گا نہ اولاد' بجز اسکے کہ کوئی قلب سلیم لیکر اللہ کی بارگاہ میں حاضر ہو۔

اس کی مزید وضاحت سورہ توبہ کی ان آیات سے ہوتی ہے جہاں نبی علیہ السلام اور مومنوں کو مشرکوں کے لئے دعائے مغفرت کی ممانعت فرمائی گئی ہے وہاں اس کا بھی ذکر کر دیا گیا ہے کہ ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ کے لئے استغفار اپنے وعدے کے مطابق کیا تھا لیکن جب ان کو بتایا گیا کہ وہ اللہ کا دشمن ہے تو انہوں نے اس سے برات کا اظہار بھی فرما دیا

قرآن کے الفاظ ملاحظہ ہوں:۔

---

[1] بائبل کے حوالے سے اکثر مفسرین نے لوطؑ کو ابراہیم علیہ السلام کا بھتیجا کہا ہے یعنی وہ آپ کے بھائی ہارون (یا حاران) بن آزر کے بیٹے تھے۔

○ ــ وما کان استغفار ابراہیم...... لاواہ حلیم ○ (التوبہ۔ ۱۱۴)

ترجمہ :۔ اور ابراہیم علیہ السلام کا اپنے باپ کے لئے استغفار محض اس وعدہ کے مطابق تھا جو انہوں نے اس سے کیا تھا۔ پھر جب ان پر واضح کر دیا گیا کہ وہ اللہ کا دشمن ہے تو انہوں نے اس سے بیزاری کا اظہار کر دیا۔ بے شک ابراہیم علیہ السلام نرم دل اور بردبار تھے۔

اب وطن سے ہجرت کر کے نکلے' مختصر قافلہ اور بے سروسامانی کا عالم' لیکن نہ کوئی شکوہ ہے نہ وطن چھوڑنے کا غم۔ البتہ یہ احساس ضرور ہے کہ قوم نے تو ایمان کی نعمت کو ٹھکرا دیا ہے تو اب اللہ ان کو صالح اولاد عطا فرمائے جو اس مشن کو آگے بڑھائیں اور شمع ہدایت کو روشن رکھیں تاکہ لوگ اس سے فائدہ اٹھاتے رہیں۔ چنانچہ صرف اولاد کی نہیں بلکہ صالح اولاد کی دعا فرماتے ہیں :۔

یہ پہلو بھی قابل غور ہے کہ بظاہر ایک متمدن و مہذب لیکن مردہ پرست و مادہ پرست قوم' جس کا مقصد حیات اکل و شرب اور عیش و طرب کے سوا کچھ نہ ہو' اس مقدس مشن کے لئے نااہل ثابت ہو چکی۔ لہٰذا رب ذوالجلال کا اب یہ منصوبہ ہے کہ اس بے آب و گیاہ صحرا سے ایسی انقلابی قوم اٹھے جو اس مشن کو پایہ تکمیل تک پہنچائے۔

○ ــ رب ھب لی من الصالحین ○........ (الصافات۔ ۱۰۰)

ترجمہ :۔ اے میرے رب مجھے صالح اولاد عطا فرما دے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے خلیل کی دعا قبول فرمائی جس کی تفصیل آئندہ سطور میں آ رہی ہے آپ عراق اور فلسطین میں تبلیغ کرتے ہوئے مصر کے علاقہ میں پہنچے وہاں کا حکمران جابر اور بدکار تھا' اس کا معمول تھا کہ وہ حسین جمیل خواتین کو چھین لیتا اور ان کے شوہروں کو قتل کرا دیتا لیکن بھائی وغیرہ کو چھوڑ دیتا تھا۔ بخاری و مسلم میں یہ واقعہ ابوہریرہؓ سے پوری تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اس ظالم نے سارہؓ کو اپنے یہاں بلا بھیجا اور دست درازی کرنا چاہی تو منجانب اللہ اس کی پکڑ ہو گئی (ہاتھ شل ہو گیا' پیر پٹخنے لگا) چنانچہ اس نے سارہؓ سے التجا کی کہ اللہ سے میرے لیے دعا کرو' اب میں تمہیں کچھ ضرر نہ پہونچاؤں گا۔ انہوں نے دعا کی وہ ٹھیک ہو گیا۔ پھر دوسری مرتبہ دست درازی کرنا چاہی پھر اسی طرح گرفت ہو گئی بلکہ اس سے شدید تر' پھر کہنے لگا پھر میرے لئے اللہ سے دعا کرو اب تمہیں ضرر نہ پہونچاؤں گا آپؓ نے دعا فرمائی' اسکو چھوڑ دیا گیا یعنی ٹھیک ہو گیا اب اس نے کسی دربان کو بلا کر کہلا کہ تم میرے پاس انسان کو نہیں لائے بلکہ شیطان کو لے آئے ہو۔ پھر اس نے سارہؓ کی خدمت کے لئے ہاجرہ کو دیدیا سارہؓ ابراہیم علیہ السلام کے پاس آئیں' وہ صلوٰۃ میں مشغول

تھے ہاتھ کے اشارہ سے صورت حال دریافت کی انہوں نے بتایا کہ اللہ تعالیٰ نے کافر کا فریب اسی کے سینہ (یا گلے) میں لوٹا دیا یعنی اس کو ذلیل کر دیا اور ہاجرہ کو خدمت کے لئے دلوا دیا۔

۷۔ دوسرا مرحلہ:۔ الغرض اللہ تعالے نے اس ظالم و جابر سے چھٹکارہ عطا فرمایا تو ابراہیم علیہ السلام سارہؓ اور ہاجرہؓ کے ہمراہ فلسطین میں سکونت پذیر ہو گئے۔ اوپر بیان کیا گیا کہ ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالے سے صالح اولاد کی دعا کی تھی جو بارگاہ رب العزت میں قبول ہوئی اور آپ کو بشارت دی گئی۔

○۔۔فبشرنہ بغلام حلیم ○......(الصفت ۱۰۱)

ترجمہ:۔ ہم نے اسکو ایک حلیم بیٹے کی بشارت دی۔

دوسری بیوی ہاجرہؓ سے اسمٰعیل تولد ہوئے اور بعد میں اسحاقؑ سارہؓ کے یہاں بڑھاپے کی عمر میں پیدا ہوئے۔ لیکن اللہ تعالے کو ابھی مزید امتحان مطلوب تھا۔ چنانچہ اللہ کے حکم کے مطابق ابراہیم علیہ السلام اپنے شیر خوار بیٹے اسمٰعیل اور ام اسمٰعیل کے ہمراہ وہاں سے نکلے اور مکہ پہونچے۔ مکہ اوسوقت صحرائے بیابان تھا۔ وہاں نہ کوئی انسان تھا اور نہ پانی نبی علیہ السلام نے اس واقعہ کو خاصی تفصیل سے بیان فرمایا ہے جو بخاری کتاب الانبیاء اور کتاب الرؤیا میں عبداللہ بن عباسؓ کی روایت سے لائے ہیں اس روایت کے مطابق ابراہیم علیہ السلام نے اسمٰعیلؑ اور اور انکی والدہ کو ایک مشکیزہ پانی اور ایک تھیلہ کھجور کے ساتھ بیت اللہ کے نزدیک (یعنی جہاں بیت اللہ ہے اس کے پاس ہی) ایک درخت کے نیچے بٹھایا (یہ جگہ اس مقام سے جہاں اب زمزم ہے کچھ بالائی حصہ کی طرف ہے) اور خود واپس لوٹے۔ ام اسمٰعیل نے انکا پیچھا کیا اور کہا "اے ابراہیم" ہمیں اس وادی میں چھوڑ کر کہاں چلے۔ یہاں تو کوئی انسان ہے نہ کوئی اور شے یعنی ہمیں کس کے سہارے چھوڑے جا رہے ہو؟" انہوں نے یہ بات بار بار کی لیکن ابراہیم علیہ السلام نے انکی طرف مڑ کر بھی نہ دیکھا (کہ کہیں فطری جذبہ اور کیفیت قلب اطاعت رب میں مانع نہ ہو جائے) آخر کار ام اسمٰعیلؑ نے دریافت کیا کہ "کیا اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس کا حکم دیا ہے" انہوں نے جواب دیا "ہاں" ہاجرہؓ نے کہا "پھر تو اللہ تعالیٰ ہمیں ضائع نہ کرے گا" چنانچہ وہ واپس اسی مقام پر آگئیں جہاں اسمٰعیل کو چھوڑا تھا ابراہیم علیہ السلام آگے بڑھتے رہے یہاں تک کہ ثنیہ کے اونچے مقام پر پہونچے جہاں سے وہ لوگ آپ کو دیکھ نہ سکتے تھے پھر آپ نے ہاتھ اٹھا کر بارگاہ رب العزت میں دعا کی (جو سورہ ابراہیم میں مذکور ہے) :۔

○۔۔ربنا انی اسکنت......لعلھم یشکرون ○......(ابراہیم۔۳۷)

ترجمہ:۔ اے ہمارے رب میں نے اپنے اولاد کو ایک ناقابل زراعت (بے آب و گیاہ) وادی میں لا بسایا ہے تیرے محترم گھر کے نزدیک تاکہ اے ہمارے رب وہ صلوٰۃ قائم کریں۔ پس تو لوگوں کے دل انکی طرف مائل کر دے اور انکو پھل عطا فرما تاکہ وہ تیری شکر گذاری کریں۔

اس دعا کا ایک ایک لفظ ابراہیم علیہ السلام کا انکے رب کے ساتھ گہرے قلبی تعلق اور اسپر توکل کا اظہار ہے اور بندگی و خود سپردگی کے جذبات کا حقیقی ترجمان۔ یہ پہلو بھی قابل غور ہے کہ بظاہر ہر ایک متمدن و مہذب لیکن مردہ پرست و مادہ پرست قوم جس کا مقصد حیات

اکل و شرب اور عیش و طرب کے سوا کچھ نہ ہو اس مقدس مشن کے لیے نااہل ثابت ہو چکی ہے لہٰذا رب ذوالجلال کا اب یہ منصوبہ ہے کہ اس بے آب و گیاہ صحرا سے ایسی انقلابی قوم اٹھے جو اس مشن کو پایۂ تکمیل تک پہونچائے۔ ابراہیم علیہ السلام کی دعا سے اس کا اظہار ہوتا ہے' ملاحظہ ہو:-

○--واذقال ابراہیم...... فانک غفور رحیم ○.... (ابراہیم ۳۵-۳۶)

ترجمہ:- اور جب ابراہیم نے کہا "اے میرے رب' اس شہر یعنی مکہ کو امن والا بنا اور مجھے اور میری اولاد کو اصنام پرستی سے بچا۔ اے میرے رب' ان بتوں نے تو بہت سوں کو گمراہ کر دیا ہے' تو جو بھی میرے طریقہ پر چلے وہ میرا ہے اور جو میرے خلاف راہ اختیار کرے تو تو یقیناً درگذر فرمانے والا مہربان ہے۔"

بنی نوع انسان کے لئے نمونہ بننے والا اللہ کا خلیل جذبہ تشکر سے سرشار' اپنے لئے اولاد کے لئے اور تمام مومنین کے لئے دست بدعا ہے

○--الحمد للہ الذی.... یوم یقوم الحساب ○..... (ابراہیم ۳۹-۴۱)

ترجمہ:- حمد و شکر تو اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہے جس نے بڑھاپے میں مجھے اسمٰعیل و اسحٰق جیسے بیٹے عطا فرمائے۔ بیشک میرا رب دعا کا سننے والا ہے۔ اے میرے رب' مجھے صلوٰۃ قائم کرنے والا بنا اور میری اولاد سے بھی (ایسے لوگ اٹھا جو یہ ذمہ داری پوری کریں)۔ میرے رب' میری دعا قبول فرما۔ اے ہمارے رب' ہماری مغفرت فرما دینا' میرے والدین کی اور تمام مومنوں کی اس روز جبکہ حساب قائم ہو گا۔

یہ بھی یاد رہے کہ یہ دعائیں کچھ عرصہ بعد کی ہیں جبکہ اسحٰق ؑ کی ولادت بھی ہو چکی ہے' اس دعا میں باپ کو شریک کیا گیا ہے لیکن بعد

یہ اور بات ہے کہ زمین پر اولاد آدم ؑ بگاڑ کا شکار ہو جائے' اللہ کے ساتھ مخلوق کی بندگی کا دین' دین اسلام پر غلبہ حاصل کرلے پھر بناوٹی معبودوں اور متعلقہ ہستیوں کے تعلق سے جگہ جگہ مراکز' آستانے' ہیکل اور منادرو مقابر' مزارات اور کلیسائیں تعمیر ہو جائیں اور انہی پر عقیدت کے پھول نچھاور کئے جانے لگیں

میں اس سے برات کرلی جیسا کہ درج بالا سطور میں بیان کیا جا چکا ہے۔ الغرض' اس بے آب و گیاہ وادی میں ام اسمٰعیل چند روز تک کھجوریں کھاتی اور مشکیزہ سے پانی پیتی رہیں اور بیٹے کی رضاعت کرتی رہیں' یہاں تک کہ پانی بھی ختم ہو گیا اور کھجوریں بھی اب وہ بھی بھوکی پیاسی ہیں اور بچہ بھی بھوک و پیاس سے بے تاب ہونے لگا' وہ اس منظر کی تاب نہ لا کر صفا پر چڑھ گئیں کہ وہاں سے کوئی نظر آئے

جب کوئی نظر نہ آیا تو صفا سے اتریں اور نشیب میں بچے کی محبت میں دامن اٹھا کر اس طرح دوڑیں جیسے کوئی سخت مصیبت زدہ دوڑتا ہے، حتیٰ کہ نشیب سے گذر گئیں اور مروہ پر پہونچ گئیں اور وہاں رک کر ادھر ادھر دیکھا جب کوئی نظر نہ آیا تو پھر دوڑیں۔ اس طرح انہوں نے سات مرتبہ کیا۔ ابن عباسؓ کہنے لگے کہ رسول اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہی تو وہ سعی بین الصفا والمروہ ہے، جو لوگ حج و عمرہ میں کرتے ہیں (یعنی اسکی یادگار ہے) جب آخری مرتبہ وہ مروہ پر چڑھیں تو انہوں نے ایک آواز سنی اور خود کہنے لگیں "ذرا ٹھہر کر سنو" پھر کان لگا کر سنا اور کہا "تونے آواز تو سنادی' کاش تیرے پاس مددگار ہو" یکایک ایک فرشتہ (جبرئیل) کو مقام زمزم میں دیکھا۔ اس نے اپنی ایڑھی ماری یا پیر مارا یہاں تک کہ پانی نکل آیا۔ ہاجرہؑ اسے باڑھ بنا کر روکنے لگیں اور ہاتھ سے ادھر ادھر کرنے لگیں اور چلو بھر بھر کے مشکیزہ میں ڈالنے لگیں۔ پانی ان کے چلو بھرنے کے بعد زمین سے ابلنے لگا۔ یہاں ذرا ٹھہر کر اس پر غور کریں کہ اللہ تعالے اپنے بندوں کو بے سہارا نہیں چھوڑتا۔ اس بنجر زمین میں تو شور پانی کے علاوہ میٹھے پانی کا نام و نشان نہ تھا' وہاں رب شفیق و کریم نے غذائیت سے بھرپور میٹھے پانی کا چشمہ جاری فرمادیا۔ ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ "اللہ ام اسمٰعیل پر رحم فرمائے' اگر وہ زمزم کو نہ روکتیں یا چلو بھر بھر کے نہ ڈالتیں تو زمزم جاری رہنے والا زبردست چشمہ ہوتا۔" پھر فرمایا کہ انہوں نے پانی پیا اور بچے کی رضاعت کی پھر فرشتے نے ان سے کہا "تم اپنی ہلاکت کا اندیشہ نہ کرو کیونکہ یہ تو مقام بیت اللہ ہے۔ جس کو یہ لڑکا اور اسکے والد تعمیر کریں گے اور اللہ تعالے اپنے بندوں کو ہلاک و برباد نہیں کرتا" اور اس وقت بیت اللہ زمین سے کچھ اونچا تھا' ٹیلے کی طرح۔ سیلاب آتے اور اسکے دائیں بائیں کے حصے کٹ جاتے اور برابر ہوجاتے الغرض ہاجرہؑ وہاں رہتی رہیں یہاں تک کہ بنو جرہم قبیلے کے کچھ لوگ وہاں سے گزرے انہوں نے پرندوں کو دیکھ کر اندازہ کرلیا کہ یہاں پانی ہے (ان کو تعجب ہوا کیونکہ وہ وہاں سے پہلے بھی گزر چکے تھے اور جانتے تھے کہ وہاں پانی نہیں ہے) چنانچہ تحقیق حال کے بعد ام اسمٰعیل سے اجازت لیکر وہاں مقیم ہوگئے' اور دوسرے افراد کو بھی بلالیا اسطرح چند خاندان وہاں آباد ہوگئے۔

۸۔ تیسرا مرحلہ:۔ اللہ تعالیٰ کے مقرب ترین بندوں کا معاملہ عام انسانوں سے بہت مختلف ہوتا ہے' ان کو شدید ترین آزمائشوں سے گذرنا پڑتا ہے۔ قرآن میں ابراہیم علیہ السلام کے ایک انتہائی سخت اور صبر آزما امتحانی مرحلہ کا ذکر کیا گیا ہے جو سورۂ صافات میں اس طرح مذکور ہے:۔

○۔۔فلما بلغ معه السعی۔۔۔۔فی الاخرین ○۔۔۔۔(الصفات۔ ۱۰۲ تا ۱۰۸)

ترجمہ:۔ جب وہ (اسمٰعیل) اس کے ساتھ دوڑ دھوپ کرنے کے قابل ہوا تو (ایک روز) ابراہیم نے اس سے کہا "اے میرے بیٹے! میں خواب میں دیکھتا ہوں کہ میں تمہیں ذبح کر رہا ہوں۔ اب تم بتاؤ کہ تمہاری کیا رائے ہے؟" انہوں نے عرض کیا "اے ابا جان! جو کچھ آپکو حکم دیا جارہا ہے آپ اسکو بجالائیں' مجھے انشاءاللہ آپ صابروں میں سے پائیں گے۔" جب دونوں نے سر تسلیم خم کرلیا اور ابراہیم نے اسکو پیشانی کے بل گرالیا اور ہم نے اسکو ندادی کہ "اے ابراہیم! تم نے (واقعی) خواب کو سچ کر دکھایا۔ بے شک ہم نیکی کرنے والوں کو ایسی ہی جزا دیتے ہیں۔ یقیناً یہ ایک صریح آزمائش تھی" اور ہم نے ایک عظیم قربانی فدیہ میں دیکر اسکو چھڑالیا' اور اسکی تعریف و توصیف (یادگار) ہمیشہ کے لئے بعد کی نسلوں میں چھوڑدی۔

بلاشبہ امتحان خلیل کا یہ آخری مرحلہ شدید ترین تھا۔ اس سے قبل جراءتمندانہ وبے باکانہ دعوت کے دور میں قوم وباپ کی مخالفتوں اور اذیتوں کو صبر وتحمل کے ساتھ سہنا' پھر بتوں کو پاش پاش کردینے کے بعد مکالمہ میں قوم کے اکابروداشوروں پر حاوی رہنا اور نمرود سے مناظرہ میں اعتماد وعالی ہمتی کا ثبوت دینا یہاں تک کہ آگ میں ڈالے جانے پر صبر واستقامت کا دامن نہ چھوڑنا' یہ سب اپنی مثال آپ ہے' اس کے بعد بیوی اور بڑھاپے کی اولاد' آنکھوں کی ٹھنڈک' شیر خوار بیٹے کو بے سروسامانی کی حالت میں (راضی بمقضائے الٰہی) فاران کے بیابان میں چھوڑ کر چل دینا اور پیچھے مڑ کر بھی نہ دیکھنا کہ کہیں شفقت پدری جوش نہ مارے اور اطاعت امر الٰہی میں کوئی لغزش نہ ہوجائے۔ ان دو نازک اور انتہائی دشوار گزار مراحل کو پوری کامیابی اور ثابت قدمی سے عبور کرلینے کے بعد تیسرا اور آخری مرحلہ درپیش ہے جو پہلے دونوں مرحلوں سے کہیں زیادہ جاں گسل اور زہرہ گداز ہے۔ خواب میں اشارہ ملتا ہے کہ ابراہیم' اب ہماری راہ میں اپنے اکلوتے بیٹے کی قربانی دے۔ نبی کا خواب تو سچا ہوتا ہے اور وحی الٰہی کی ایک شکل اس لئے بغیر کسی شک وشبہ اور تردد اللہ کے خلیل تسلیم ورضاء کے پیکر بن کر رب کے حکم کی بجا آوری کے لئے تیار ہوجاتے ہیں لیکن کیونکہ یہ معاملہ انتہائی نازک وحساس تھا اور اس آزمائش میں بیٹا بھی حصہ دار تھا' لہٰذا ان کو اعتماد میں لینا ضروری تھا چنانچہ بیٹے کو خواب سنایا گیا (وہ تو خود نبی بننے والے تھے اور صبر ووفا کے ان تمام اوصاف سے متصف جو انبیاءؑ کا حصہ ہوتے ہیں) وہ فوراً ہی سر تسلیم خم کردیتے ہیں اور باپ کے خواب کو محض خواب نہیں بلکہ اللہ کا حکم سمجھ کر کہتے ہیں کہ اے ابا جان' آپ رب کا حکم بجالائے مجھے انشاء اللہ صابروشاکر پائیں گے۔ یہ بات قابل غور ہے کہ اللہ کے نبی نے جس صالح اولاد کے لئے دعا کی تھی' اس آزمائش نے ثابت کردیا کہ اللہ کے خلیل کی دعا مکمل طور سے قبولیت پائی۔ قرآن نے باپ وبیٹے کے تسلیم ورضا اور وفاشعاری کا تذکرہ بہت ہی مشفقانہ انداز میں نمایاں طور سے فرمایا ہے۔ الغرض' باپ وبیٹے تیار ہو کر وادی منیٰ میں پہنچتے ہیں' دونوں راضی بمقضائے الٰہی ہیں۔ ابراہیمؑ بیٹے کو پیشانی کے بل لٹاتے ہیں (یعنی اوندھے منھ) تاکہ وقت ذبح لخت جگر کا چہرہ آنکھوں کے سامنے آکر ہاتھ میں لرزش نہ پیدا کردے۔ ابراہیم جیسے ہی بیٹے کے حلقوم پر چھری چلانے کی کوشش کرتے ہیں فوراً رب کریم کی رحمت بے پایاں جوش میں آتی ہے' ندا دی جاتی ہے کہ "اے ابراہیم! تم نے خواب کو سچ کر دکھایا" (خواب میں یہی تو دکھایا گیا تھا کہ بیٹے کو ذبح کر رہے ہو نہ یہ کہ ذبح کرڈالا ہے۔ تو تم نے اس کا حق ادا کردیا۔ ہمیں اسمٰعیل کی جان مطلوب نہ تھی کہ بلکہ اس عظیم قربانی کے لئے تمہاری آمادگی اور تسلیم ورضا کی آزمائش مقصود تھی۔ وہ مقصد حاصل ہوگیا۔ تمہارا شمار محسنوں اور اعلیٰ ترین انعام پانے والوں میں ہوگیا) فدیہ میں بڑی قربانی سے مراد وہ مینڈھا بھی ہوسکتا ہے جو فرشتوں نے اس وقت ابراہیمؑ کے سامنے پیش کردیا تھا لیکن فی الحقیقت اس سے مراد وہ "قربانی" ہے جو بارگاہ رب العزت میں ایسی مقبول ہوئی کہ اس کو "اسوہ حسنہ" اور مقدس یادگار کے طور پر قیامت تک کے لئے قائم کردیا گیا۔ عید الاضحیٰ پر قربانی کرنے والے اس یادگار کو ذہن میں تازہ کرتے ہیں اور زبان پر ابراہیم علیہ السلام کے اظہار یکسوئی والے وہی کلمات ہوتے ہیں جو آخری رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تعلیم فرمائے' یعنی

○ ---انی وجھت وجھی للذی فطر السموات والارض حنیفا وما انا من المشرکین ○ (سورۃ انعام ۷۹)

ترجمہ۔ میں نے تو (ان سب سے منہ موڑ کر) اپنا رخ اس ہستی کی طرف کر لیا ہے۔ جس نے زمین و آسمانوں کو بنایا ہے اور میں ہرگز شرک کرنے والوں میں سے نہیں ہوں۔

○۔۔۔قل ان صلوتی و نسکی و محیای و مماتی للہ رب العالمین ○
لا شریک لہ وبذالک امرت و انا اول المسلمین ○ (الانعام۔ ۱۶۲' ۱۶۳)

ترجمہ۔ کہو میری صلوٰۃ' میری قربانی (تمام مراسم عبودیت) میرا جینا' میرا مرنا' سب کچھ اللہ رب العالمین کے لئے ہے۔ جس کا کوئی شریک نہیں' اسی کا مجھے حکم دیا گیا ہے اور میں سب پہلے سر اطاعت جھکانے والا ہوں۔

یہ بات بھی قابل غور ہے کہ سورہ صافات (آیات ۱۰۲ تا ۱۰۸) میں واقعہ قربانی اور قبولیت کا ذکر فرمانے کے بعد ابراہیم علیہ السلام کو اسحٰق بیٹے کی بشارت کا ذکر بھی کیا گیا ہے' اس سے یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ ولادت اسحٰق اس واقعہ قربانی کے بعد ہوئی ہے چنانچہ یہ بحث العبث ہے کہ ذبیح اللہ اسمٰعیل ہیں یا اسحٰق۔ قرآن نے اس کے لئے کوئی گنجائش ہی نہیں چھوڑی پھر حدیث کا بیان کردہ واقعہ اس کی تفصیل کے لئے کافی ہے۔

اسماعیل علیہ السلام اپنی والدہ ہاجرہؓ کے ہمراہ اس وادی میں سکونت پذیر تھے۔ جس کو زمزم کے چشمہ کے بعد حیات نو عطا کر دی گئی تھی۔ بنو جرہم کے قبیلہ میں آپ کا نکاح ہوا اور تھوڑے عرصہ کے بعد والدہ کی وفات ہو گئی۔ جیسا کہ اوپر بیان کیا جا چکا ہے ابراہیم علیہ السلام وقتاً فوقتاً وہاں ملاقات کے لئے آتے رہتے تھے۔ بخاری کی مذکورہ روایت کے مطابق ایک مرتبہ آپ تشریف لائے تو اسماعیل کو نہ پایا' ان کی بیوی سے خیریت و حالات دریافت کئے۔ اس نے بتایا کہ "وہ روزی کی تلاش میں یعنی شکار کو گئے ہیں۔" پھر معیشت کی تنگی اور پریشان حالی کا ذکر کیا گلہ و شکوہ کے انداز میں۔ ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کہ "جب تمہارے شوہر آئیں تو ان سے میرا سلام کہنا اور کہنا غیر عتبۃ بابک (یعنی اپنے دروازے کی چوکھٹ تبدیل کر دو)"۔ اسمٰعیلؑ کے آنے پر ان کو جب پورا حال بتایا گیا اور باپ کا پیغام دیا گیا تو انہوں نے کہا کہ یہ میرے والد تھے اور انہوں نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں تمہیں علیحدہ کر دوں۔ چنانچہ اس بیوی کو طلاق دیدی اور بنو جرہم کی دوسری خاتون سے نکاح کر لیا۔ کچھ عرصہ بعد ابراہیم پھر تشریف لائے اور اسماعیلؑ کو نہ پایا تو ان کی بیوی سے گفتگو کی۔ اس نے معیشت میں اطمینان و فراخی کا ذکر کیا اور بتایا کہ گوشت و پانی پر گزر بسر ہوتی ہے' اللہ کا شکر ہے۔ ابراہیم علیہ السلام نے ان کے لئے دعا کی اور کہا "اللھم بارک لھم فی اللحم والماء" (اے اللہ ان کے لئے گوشت و پانی میں برکت عطا فرما)۔ نبی علیہ السلام نے فرمایا "اس وقت وہاں غلہ نہ ہوتا تھا اگر ہوتا تو اسکے لئے بھی دعا فرماتے۔" ابراہیم علیہ السلام نے رخصت ہوتے ہوئے فرمایا "اپنے شوہر کو میرا سلام کہنا اور کہنا کہ یثبت عتبۃ بابک یعنی دروازہ کی چوکھٹ باقی رکھو۔" اسماعیل کی آمد پر ان کو حالات سے مطلع کیا گیا تو انہوں نے کہا کہ یہ میرے والد تھے اور حکم دے کر گئے ہیں کہ تمہیں اپنی زوجیت میں باقی رکھوں۔ یہ تفصیل بخاری کی مذکورہ روایت میں ہے۔

۹۔ تعمیر کعبہ اور دعائے خلیل : اس کے کچھ عرصہ بعد جب ابراہیم علیہ السلام تشریف لائے تو اسمٰعیل کو زمزم کے قریب ایک درخت کے سائے میں بیٹھا پایا' وہ اپنے تیر بنا رہے تھے۔ باپ کو دیکھ کر اٹھ کر ملے' ابراہیم علیہ السلام نے ان کو بتایا "اے اسماعیل' اللہ تعالیٰ نے مجھے ایک کام کا حکم دیا ہے۔" انہوں نے عرض کیا کہ آپ حکم بجا لائیں میں آپ کے ساتھ تعاون کروں گا۔ ابراہیم نے اونچے

ٹیلہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا "اللہ نے مجھے یہاں بیت اللہ کی تعمیر کا حکم دیا ہے۔" یہاں یہ وضاحت ضروری ہے کہ بیت اللہ 'بیت عتیق (اللہ کا قدیم گھر) ہے۔ قرآن میں اللہ عزوجل کا فرمان ہے۔

○--ان اول بیت وضع........ للعالمین (آل عمران ۹۶)

ترجمہ۔ بیشک پہلا گھر جو بنایا گیا لوگوں کے لئے (اللہ کی عبادت کے لئے) البتہ وہ مکہ میں ہے۔ وہ سرتاپا برکت اور لوگوں کی ہدایت (کا سرچشمہ) ہے۔

اس طرح قرآن نے بیت اللہ کو اللہ کا سب سے قدیم گھر بتایا ہے۔ آدم علیہ السلام سے نسل انسانی کی ابتداء ہوئی تو اللہ کے گھر کی ضرورت پیدا ہوئی۔ فتح الباری (جلد ۸ ص ۱۳۸) میں ابن حجر نے ایک روایت نقل کی ہے۔ جس کی رو سے آدم علیہ السلام نے اس مقام پر اس کی بنیاد رکھی جہاں فرشتوں نے نشاندھی کی تھی بیت اللہ تعمیر ہو گیا لیکن سالہاسال کے حوادث 'طوفانوں اور سیلابوں نے اس کو برابر و بے نشان کر دیا۔ صرف ایک مرتفع مقام یا اونچا ٹیلہ باقی رہا جس کا ذکر بخاری کی مذکورہ روایت میں ہے۔ عقل سلیم بھی اس نتیجہ پر پہونچتی ہے کہ بیت اللہ (اللہ کا گھر) الہ واحد کی بندگی کا مرکز انسانی ضرورت ہے اور اس کا وجود ابتدائے آفرینش سے ہونا ضروری ہے۔ قرآن کی مذکورہ آیت اور حدیث اسکی تائید کرتی ہے' یہ اور بات ہے کہ زمین پر اولاد آدم 'بگاڑ' کا شکار ہو جائے اللہ کے ساتھ مخلوق کی بندگی کا دین' دین اسلام پر غلبہ حاصل کرلے پھر بناوٹی معبودوں اور متعلقہ ہستیوں کے تعلق سے جگہ جگہ مراکز' آستانے 'ہیکل اور منادر و مقابر' مزارات اور کلیسائیں تعمیر ہو جائیں اور انہی پر عقیدت کے پھول نچھاور کئے جانے لگیں۔ اور توحید باری تعالیٰ سے صرف برائے نام ہی تعلق رہ جائے۔ تاریخ انسانی یہی نقشہ پیش کرتی رہی ہے۔

الغرض یہ بات قرآن و حدیث سے ثابت ہے کہ بیت اللہ ابراہیم علیہ السلام و اسماعیلؑ کی تعمیر سے پہلے بھی موجود تھا اور بخاری کی روایت میں ذکر ہے کہ ام اسماعیلؑ کو ابراہیم علیہ السلام نے بیت اللہ کے نزدیک ٹھہرایا اور نبی علیہ السلام نے بتایا کہ "اس وقت بیت اللہ زمین سے کچھ اونچا تھا' ٹیلہ کی طرح' سیلاب آتے اور اس کی دائیں بائیں کے حصے کٹ جاتے اور برابر ہو جاتے۔" وہیں ابراہیم علیہ السلام کو نشاندھی کی گئی اور آپؑ نے بیٹے کے ساتھ کعبۃ اللہ کی بنیادیں اٹھائیں اور تعمیر کا کام شروع کیا۔ اسمٰعیلؑ (جبل الکعبہ سے) پتھر لاتے اور ابراہیمؑ چنائی فرماتے۔ اس طرح ٹیلہ کے ارد گرد دیواریں اٹھائی گئیں۔ جب دیواریں کچھ بلند ہو گئیں تو اسمٰعیلؑ نے ایک پتھر رکھ دیا' جس پر کھڑے ہو کر ابراہیمؑ تعمیر فرمانے لگے۔ یہی پتھر وہ مقام ابراہیم علیہ السلام ہے۔ جس کا تذکرہ قرآن میں ہے۔

○--واتخذوا من مقام ابراہیم مصلی○ (البقرہ۔ ۱۲۵)

ترجمہ۔ مقام ابراہیم کو مصلیٰ بناؤ۔

رب ذوالجلال کی نظر میں خلیل اللہ اور ذبیح اللہ کی اس تعمیر اور خدمت دین کی جو قدر و منزلت ہے اس کا اظہار سورہ بقرہ کی آیت ۱۲۷ سے ہوتا ہے لیکن یہ بھی قابل غور ہے کہ جس شجر طیبہ کی آبیاری کے لئے باپ بیٹے کی زندگیاں وقف ہوئیں اب اس کے پروان چڑھنے کا وقت قریب ہی ہے۔ چنانچہ دونوں باپ و بیٹے علیہما السلام دوران تعمیر کعبہ کے گرد گھومتے اور اللہ تعالیٰ سے یہ دعا فرماتے ہیں۔

○--واذ یرفع ابراہیم القواعد........السمیع العلیم○(البقرہ ۱۲۷)

ترجمہ۔ اور جب ابراہیم بیت اللہ کی بنیادیں اٹھا رہے تھے اور اسمٰعیل بھی ان کے ساتھ شریک تھے (تو دعا کرتے جاتے تھے) اے ہمارے رب! ہماری اس خدمت کو قبول فرمالے تو سب کچھ سننے اور جاننے والا ہے۔

بلاشک وشبہ باپ و بیٹے کے ہاتھ تو تعمیر کعبہ میں لگتے تھے لیکن قلب و ذہن رب کریم سے دعا و اذکار میں رطب اللسان تھے۔ سورہ بقرہ کا پندرھواں رکوع اور سولھویں کا کچھ حصہ اسی پر مشتمل ہے (البقرہ آیت ۱۲۴ تا ۱۴۲)۔ فی الحقیقت یہ دعا بھی بڑی ہی فکر انگیز ہے' جہاں اللہ تعالٰی کے محبوب بندہ کا مالک حقیقی سے گہرے قلبی تعلق کا اظہار ہے' وہاں اس میں مستقبل کا یہ نقشہ صاف نظر آرہا ہے' یعنی کہ ایک نئی آباد شدہ بستی میں ایک انقلابی نسل کے اٹھنے کی بشارت' اور ان کی روزی کے وسائل کے لئے دعا اور ساتھ ہی ان کی ہدایت و رہنمائی کے لئے انہی میں سے ایک رسول کی بعثت کے لئے اللہ کے خلیل کی عجز و انکساری کے ساتھ التجا' معلوم ہو رہا ہے کہ شدید محنت و قربانی کے ذریعہ تیار کئے ہوئے شجر طیبہ کی بار آوری کے لئے مالک حقیقی سے دعا گو ہیں۔

○--ربنا وابعث فیہم رسولا منہم یتلوا علیہم آیتک ویعلمہم الکتاب والحکمۃ ویزکیہم ط انک انت العزیز الحکیم○(البقرہ ۱۲۹)

ترجمہ۔ اے ہمارے رب ان میں ایک رسول جو انہی میں سے ہو مبعوث فرمانا جو انہیں تیری آیات پڑھ کر سنائے' ان کو کتاب و حکمت کی تعلیم دے اور ان کا تزکیہ کرے (تعلیم و تربیت کے ذریعے زندگیاں سنوارے) بلاشبہ تیری ذات غالب و حکمت والی ہے۔

اس دعائے بعثت کی اہمیت کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ قرآن میں آخری رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا ذکر دو جگہ فرمایا گیا ہے یعنی سورۂ آل عمران اور سورہ جمعہ میں' اور دونوں جگہ بعثت کا مشن و مقصد وہی بیان کیا گیا ہے جو دعا کے اندر مذکور ہے۔ البتہ اس سے اگلی آیت میں ابراہیم علیہ السلام کی دعا کے بعد مخاطب قوم کو شدید تنبیہ بھی کردی گئی ہے' ملاحظہ ہو۔

○--ومن یرغب......لمن الصلحین○(البقرہ ۱۳۰)

ترجمہ۔ اور اب کون ہے جو ملت ابراہیم سے منہ موڑے سوائے اس کے جو بیوقوف یعنی احمق ہو۔ ابراہیم تو وہ شخص ہے جس کو ہم نے دنیا میں (اپنے مشن کے لئے) منتخب کرلیا تھا اور آخرت میں وہ صالحین میں ہوگا۔

اس طرح تاریخ کا ایک عظیم الشان اور عبرت انگیز باب پیش کرنے کے بعد نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کی قوم پر شدید نشتر زنی فرمائی کہ دیکھو' ہمارا ابراہیم تو وہ شخص ہے' جس کو ہم نے یہاں اپنے مشن کے لئے منتخب فرمایا اور اس نے اس کا حق ادا کرکے اپنے آپ کو ہمارے مشرف و مقرب ترین بندوں میں شامل کرلیا لیکن اے نادانو! تم اس کے عشق کا دم بھرنے اور اس کی نسل پر فخر کرنے کے باوجود اس کے دین سے یکسر منحرف ہوگئے ہو۔ تم کیسے احمق و ناداں ہو کہ ابراہیم علیہ السلام کی گمراہ قوم کے دین کو اپنا چکے ہو۔ ابراہیم علیہ السلام نے تو اللہ کا یہ گھر خالص اس کی بندگی کے لئے تعمیر کیا لیکن تم نے قوم ابراہیم کی روش پر چلتے ہوئے اس کو بت کدہ بنا ڈالا۔ سورۂ حج میں مکہ کے

مشرکوں کی عبرت و نصیحت کے لئے تعمیر کعبہ کا مقصد بیان فرمایا۔

○ — واذبوانا لابراہیم............من تقوی القلوب ○ (سورۃ الحج۔ ۲۶ تا ۳۲)

ترجمہ۔ اور (وہ وقت یاد کرو) جب ہم نے ابراہیم کے لئے اس گھر (خانہ کعبہ) کی جگہ مقرر کی تھی (اس ہدایت کے ساتھ) کہ میرے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کرو' اور میرے گھر کو طواف کرنے والوں اور قیام و رکوع و سجود کرنے والوں کے لئے پاک رکھو اور لوگوں کو حج کے لئے اذن عام دیدو کہ وہ تمہارے پاس تمام دور دراز مقامات سے پیدل اور اونٹوں پر سوار آئیں تاکہ وہ فائدے دیکھیں جو یہاں ان کے لئے رکھے گئے ہیں اور مقررہ دنوں میں ان جانوروں پر اللہ کا نام لیں جو ان کے لئے ہم نے فراہم کئے (ان کا گوشت) خود بھی کھائیں اور تنگ دست محتاجوں کو بھی دیں' پھر اپنا میل کچیل دور کریں اور اپنی نذر پوری کریں اور اس قدیم گھر کا طواف کریں۔ تو یہ تھا (تعمیر کعبہ کا مقصد)۔ جو کوئی اللہ کی قائم کردہ حرمتوں کا احترام کرے تو یہ اس کے رب کے نزدیک خود اس کے لئے بہتر ہے اور تمہارے لئے مویشی جانور حلال کئے گئے ماسوا ان چیزوں کے جو تمہیں بتائی جا چکی ہیں۔ بس بتوں کی نجاست سے بچے رہو' جھوٹی باتوں سے پرہیز کرو' یکسو ہو کر اللہ کے بندے بنو' اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو۔ (یاد رکھو کہ) جو کوئی اللہ کے ساتھ شرک کرے تو گویا وہ آسمان سے گر گیا' تو اب یا تو اسے پرندے اچک لے جائیں گے یا ہوا اس کو کسی ایسی جگہ دور لے جا کر پھینک دے گی (جہاں اس کے چیتھڑے اڑ جائیں) یہ ہے اصل معاملہ (اسے ذہن نشین کر لو) اور جو اللہ کے مقرر کردہ شعائر کا احترام کرے تو یہ فی الحقیقت دلوں کے تقویٰ سے ہے۔

ان آیات میں اس قوم کے مشرکانہ عقائد اور بت پرستی کے دین پر شدید وار کیا گیا ہے ان کو بتایا گیا کہ بیت اللہ کی تعمیر کا مشن و مقصد کیا تھا اور تم نے اس کو کس طرح فراموش کر کے گمراہی کا رویہ اختیار کیا۔ اللہ کا گھر تو اس لئے تعمیر کیا گیا کہ ایک اللہ کے پرستار' توحید کے جذبہ سے سرشار' شرک سے متنفر و مجتنب ہو کر شعائر اسلامی بجالائیں' اللہ کی نعمت ایمانی کے ساتھ بیت اللہ کی مرکزیت سے پورا فائدہ اٹھائیں۔ تزکیہ و تربیت اور اعتصام بحبل اللہ کے ذریعہ اسلامی مشن کے انفرادی و اجتماعی تقاضے پورے کریں۔ اس طرح ان کو متنبہ کیا گیا کہ اے نادانو! اگر تم اس مشن کے حامل ہو کر دین اسلام پر قائم رہتے تو ہمارے خلیل کی دعاؤں کی قبولیت کے نتیجے میں یہ مرکز توحید امن و سکون کا گہوارہ ہوتا' یہ بستی اللہ کی رحمتوں اور برکتوں سے مالا مال ہوتی اور تم من حیث القوم عزت و سرفرازی سے نوازے جاتے۔ لیکن تف ہے تم پر' تمہارے دین فروش و دنیا پرست احبار و رہبان اور سرداران قوم پر جنھوں نے سراسر کفران نعمت کی روش اختیار کی' وفات شدہ انبیاء اور صلحاء کو اللہ کا مد مقابل ٹھہرا کر (داتا' دستگیر' مشکل کشا و حاجت روا بنا کر) ان کی مورتیوں سے مرکز توحید یعنی بیت اللہ کو آلودہ کر دیا' پوری قوم کو شرک کے گڑھے میں گرا کر جہنم کا مستحق ٹھہرا دیا' قرآن کے الفاظ ملاحظہ ہوں۔

○ — الم تر الی الذین بدلوا..........الی النار ○ (ابراہیم ۲۸ تا ۳۰)

ترجمہ۔ کیا تم نے ان لوگوں (کی روش) پر غور کیا جنھوں نے اللہ کی نعمت پائی اور اسے کفران نعمت سے بدل ڈالا (اپنے ساتھ) اپنی قوم کو ہلاکت کے گھر میں جھونک دیا یعنی جہنم جس میں وہ جھلسائے جائیں گے اور وہ بدترین جائے قرار ہے۔ اور

(انھوں نے) اللہ کے کچھ ہمسر تجویز کر لیے تاکہ وہ انہیں اللہ کے راستے سے بھٹکا دیں۔ ان سے کہو "اچھا مزے کر لو آخر کار تمہیں پلٹ کر جانا دوزخ ہی میں ہے۔"

سورہ ابراہیم کی مندرجہ بالا آیات اس قوم کے بگاڑ کی منہ بولتی تصویر ہیں۔ یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ بخاری کی روایت کے مطابق جب فتح مکہ کے موقعہ پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ میں داخل ہوئے تو اس وقت وہاں تین سو ساٹھ بت تھے اور ان میں ابراہیم اور اسمٰعیل علیہما السلام کے بت بھی تھے اور ان کے ہاتھوں میں فال نکالنے کے تیر تھے۔ آپ نے ان کو دیکھ کر فرمایا کہ "اللہ کفار کو غارت کرے' اللہ کی قسم انہیں بھی معلوم ہے کہ ان دونوں نے کبھی تیروں سے فال نہیں نکالی۔" الغرض تاریخ کے اس حیرت انگیز اور سبق آموز باب کو پیش کر کے اس بات کی صریح وضاحت کر دی گئی کہ اللہ کے آخری رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت' ان پر اس حکمت بھری کتاب ہدایت یعنی قرآن کا نزول اور پھر ان کی دعوت پر ایک انقلابی قوم کا اٹھنا' تزکیہ و تربیت کے بعد ان کے ذریعہ اس انقلابی مشن کی تکمیل اور کرۂ ارض پر دین اسلام کا غلبہ و تمکنت اسی شجر طیبہ کا ثمر ہے۔ وللہ الحمد علی ذالک۔

اس مقدس مشن کو پروان چڑھانے کے لیے بے شمار مراکز قائم ہو چکے ہیں۔ اللہ کے بندے اخروی فلاح کے امیدوار آگے بڑھ رہے ہیں۔ اور اس مشن کی تکمیل کے لئے اپنی توانائیاں' صلاحیتیں اور اپنے وسائل وقف کر رہے ہیں۔ دراصل لقد کان لکم..... کا خطاب قیامت تک کے لئے ایسے تمام سچے ایمانداروں سے ہے' جن کے دل میں نعمت ایمانی کی قدر ایسی ہی ہے جیسی قرون اولیٰ کے مسلمانوں میں تھی

حیات خلیل گنجینہ بصائر۔ ابراہیم علیہ السلام کی حیات طیبہ بلاشبہ بصائر و مواعظ کا بیش بہا خزانہ ہے اور اس کا بغور مطالعہ ایمان کی بالیدگی کا سبب۔ اس بات کی ضرورت ہے کہ رب کریم کی رحمت و مغفرت کے طلبگار اور جنت کی نعمتوں کے سچے آرزو مند آگے بڑھیں اور اپنے دامن ایمان کو صبر و وفا اور تسلیم و رضا کے ان جواہر پاروں سے بھر لیں۔ لٰہذا بطور خلاصہ چند اہم پہلو درج کیے جاتے ہیں:

صبر و وفا۔ تاریخ انسان گواہ ہے کہ اللہ کے منتخب بندوں نے مالک حقیقی کی رضا کے حصول کے لئے بے دریغ قربانیوں سے کبھی گریز نہیں کیا اور نہ شدید ترین آزمائشوں میں صبر و استقامت کا دامن چھوڑا۔ ان میں انبیاء علیہم السلام کا بلاشک و شبہ نمایاں مقام ہے لیکن ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام یقیناً ایک منفرد اور امتیازی مقام کے حامل نظر آتے ہیں جس کا بین ثبوت قرآن کی بے شمار آیات ہیں بالخصوص سورۃ البقرہ کے رکوع ۱۵-۱۶ جن کا ذکر درج بالا سطور میں کیا گیا ہے اور سورۃ النجم میں خصوصیت سے تذکرہ فرمایا گیا۔

○ --- وابراہیم الذی وفی ○ (آیت نمبر ۳۷)

اور ابراہیم (کے صحیفوں میں) جس نے وفا کا حق ادا کر دیا۔

انداز دعوت واستدلال : گزشتہ صفحات میں تفصیلی بحث کی گئی ہے کہ جہاں آپ کی دعوت استدلال کا انوکھا انداز اور حجت الزامی کا موثر طریقہ کار جو اصنام و کواکب پرستی کے رد اور قوم و نمرود سے مکالمہ و مجادلہ میں نمایاں ہے' وہاں بھرپور دلائل کے بعد عزم کی زبان میں تنبیہ "تاللہ لاکیدن اصنامکم" (اللہ کی قسم میں تمہارے اصنام کے ساتھ چال چلوں گا) پیغام کی صداقت پر کامل یقین اور توکل علی اللہ کا بھرپور اظہار ہے اور باطل نظریہ پر زبردست چوٹ۔

تسلیم و رضا : اللہ کا بندہ سب سے کٹ کر' تمام تحفظات و مفادات اور معاشرتی تعلقات سے بے نیاز ہو کر قطعاً یکسوئی کے ساتھ اللہ کے ہر حکم کے لئے تسلیم و رضا کا پیکر بن جائے تو وہ یقیناً "انی وجہت وجہی للذی فطر السموات والارض....." کی عملی تفسیر ہو گا۔ اس لحاظ سے ابراہیم علیہ السلام کا نمایاں مقام ہے۔ "دین حنیف" کی ابراہیم علیہ السلام سے خصوصی نسبت کا ذکر قرآن میں جگہ جگہ کیا گیا ہے لیکن سورہ النساء میں یہ فضیلت اور امتیازی شان نمایاں ہے۔ ملاحظہ ہو:

○ --- "ومن احسن دینا ممن اسلم وجہہ للہ وہو محسن..... ابراہیم خلیلا ○ (النساء ۱۲۵)

ترجمہ۔ اور اس شخص سے بہتر کس کا دین ہو گا جس نے اللہ کے آگے سر تسلیم خم کر دیا اور حسن عمل کا رویہ اپنایا اور یکسو ہو کر ابراہیم کے طریقہ کی پیروی کی' اس ابراہیم کے طریقہ کی جسے اللہ نے اپنا دوست بنا لیا۔

پھر یہود و نصاریٰ کی فرقہ پرستی پر چوٹ کرتے ہوئے فرمایا:۔

○ --- وما کان ابراہیم..... وما کان من المشرکین ○ (آل عمران ۶۷)

ترجمہ۔ ابراہیم نہ یہودی تھا' نہ عیسائی' بلکہ وہ تو یکسو مسلم تھا اور وہ مشرکوں میں سے نہ تھا۔

اور پھر اللہ کے آخری رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو یکسو ہو کر ملت ابراہیم کی اتباع کی ہدایت کی گئی' چنانچہ فرمایا:۔

○ --- ان ابراہیم کان امۃ قانتا للہ..... وما کان من المشرکین ○ (سورہ النحل: ۱۲۰ تا ۱۲۳)

ترجمہ۔ اور فی الواقع ابراہیم اپنی ذات سے ایک پوری امت تھا' اللہ کا مطیع فرمان اور یکسو بندہ۔ وہ کبھی مشرک نہ تھا' وہ اللہ کا شکر گزار تھا۔ اللہ نے اس کو (اپنے مشن کے لئے) منتخب فرمایا اور سیدھا راستہ دکھایا۔ دنیا میں اس کو بھلائی دی اور آخرت میں وہ یقیناً صالحین میں سے ہو گا۔ پھر ہم نے تمہاری طرف وحی بھیجی کہ یکسو ہو کر ابراہیم کے طریقہ پر چلو اور وہ مشرکوں میں سے نہ تھا۔

ان آیات میں ابراہیم علیہ السلام کی ذات کو ایک پوری امت (یا ادارہ) کی حیثیت سے پیش کیا گیا ہے' یعنی وہ جس مشن کے حامل تھے خود اپنی ذات میں اس مشن کی چلتی پھرتی تصویر تھے۔ یہاں ان کو توحید باری تعالیٰ کا اعلیٰ نمونہ اور شکر گذاری و تسلیم و رضا کا پیکر ثابت کیا گیا ہے۔ دوسری جگہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پرزور الفاظ میں دین حنیف پر قائم ہونے کی تلقین فرمائی گئی ہے۔

○ --- وان اقم وجھک ... مشرکین (یونس: ۱۰۵)

ترجمہ: اور مجھے یہ حکم دیا گیا کہ میں یکسو ہو کر دین حنیف پر قائم ہو جاؤں اور مشرکوں میں سے نہ ہوں۔

کفر بالطاغوت: درج بالا سطور میں جو خصوصیات بیان کی گئی ہیں ان میں سب سے اہم اور امتیازی شان کی حامل دعوت ابراہیمی ہے اور آپ کا کفر بالطاغوت کا انداز تو بلاشبہ اپنی مثال آپ ہے' چنانچہ قرآن میں اس کو نمونہ کے طور پر پیش کیا گیا ہے ملاحظہ ہو۔

○ --- قد کانت لکم اسوۃ حسنۃ فی ابراہیم و الذین معہ اذ قالو القومہم انا براء منکم و مما تعبدون...... باللہ وحدہ (الممتحنۃ: ۴)

ترجمہ: تم لوگوں کے لئے ابراہیم اور ان کے ساتھیوں میں ایک عمدہ نمونہ ہے' جب انہوں نے اپنی قوم سے کہہ دیا "ہم تم سے اور تمہارے ان معبودوں سے جن کو اللہ کے علاوہ پوجتے ہو' قطعی بیزار ہیں۔ ہم نے تم سے کفر کیا (یعنی تمہیں کافر قرار دیا) اور ہمارے اور تمہارے درمیان ہمیشہ کے لئے بغض و عداوت پیدا ہو گئی جب تک اللہ واحد پر ایمان نہ لے آؤ"

سورہ ممتحنہ کی درج بالا آیت کے مفہوم و مدعا کا صحیح ادراک اسی کو ہو سکتا ہے جو اس انقلابی تحریک اور اس کی دعوت کا بہ نظر غائر مطالعہ کرے' کیونکہ یہ آیت دعوتی مشن کے مرکزی نکتہ کو پیش کرتی ہے اس لحاظ سے اس پر کچھ تفصیلی بحث کی ضرورت ہے۔ قرآن کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر نبیؑ کے مشن کا اہم حصہ یہ ہوتا ہے کہ مدعو یا مخاطب قوم کو طاغوت سے کاٹ کر علیحدہ کر دیا جائے' کیونکہ اس کے بغیر مالک حقیقی پر ایمان اور اس سے مخلصانہ بندگی کا تعلق یعنی "انابت الی اللہ" ممکن ہی نہیں۔ اسی لئے قرآن نے اس کو ایمان کا جزو لاینفک قرار دیا ہے' فرمایا:

○ --- فمن یکفر بالطاغوت و یومن باللہ ...... واللہ سمیع علیم ○ (البقرہ۔ ۲۵۶)

ترجمہ: اب جو کوئی طاغوت کا کفر کرے اور (پھر) اللہ پر ایمان لائے' تو اس نے البتہ ایک مضبوط سہارا تھام لیا جو کبھی بھی ٹوٹنے والا نہیں اور اللہ (جس کو اس نے سہارا بنایا ہے) سب کچھ سننے اور جاننے والا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اس مسئلہ کی کماحقہ وضاحت اور اس پر عمل درآمد کو ہی نبی کی ذمہ داری قرار دیا ہے' چنانچہ فرمایا

○ --- ولقد بعثنا فی کل امۃ رسولا ان اعبدوا اللہ واجتنبوا الطاغوت ○ (النحل۔ ۳۶)

ترجمہ: اور ہم نے ہر امت میں ایک رسول بھیجا اور (اس کے ذریعے لوگوں کو متنبہ کر دیا) کہ اللہ کی بندگی کرو اور طاغوت (کی بندگی) سے مجتنب رہو۔

سورہ زمر میں طاغوت کی بندگی سے اجتناب کو "انابت الی اللہ" کی شرط ٹھہرایا اور اس کو پورا کرنے والوں ہی کو اولوالالباب قرار دیا (الزمر۔ ۱۷' ۱۸) اور یہ یقیناً اس مسئلہ کی اہمیت کا بین ثبوت ہے۔ ابراہیم علیہ السلام کی دعوت میں یہ پہلو انتہائی واضح اور نمایاں نظر آتا ہے۔ بلکہ یہ کہنا حق بجانب ہو گا کہ "کفر بالطاغوت" دعوت ابراہیمی بلکہ حیات ابراہیمی کا طرہ امتیاز ہے اور قرآن نے اس کو اسی انداز سے پیش فرمایا ہے۔ غور فرمائیے کہ دعوت کے آغاز میں جب آپ' اپنے باپ اور قوم کی مشرکانہ روش پر گرفت فرماتے ہیں (الانبیاء ۵۲) تو قوم باپ دادا

اور بزرگان دین کو اپنا سہارا بناتی ہے (انبیاء ۵۳) اور اس وقت ابراہیم علیہ السلام ان کے آباء واجداد اور قد آور ہستیوں کو (جو ان کی عقیدت اور دینی تقدس کا مرکز تھیں) بے دھڑک گمراہ قرار دیتے ہیں (الانبیاء ۵۴) یہ آباء پرستی و شخصیت پرستی اور اندھی تقلید کے شجر خبیثہ کی جڑ پر زبردست تیشہ زنی ہے۔ یاد رہے کہ اسی شجر خبیثہ پر شیاطین الانس دین کے ٹھیکیدار 'احبار و رہبان اپنے آشیانے سجاتے ہیں یہیں سے ہر قسم کے شرک اور قومی بگاڑ کی شاخیں پھوٹتی ہیں۔ اس کی بیخ کنی کے بغیر دین اسلام کا شجر طیبہ جڑ نہیں پکڑ سکتا۔ یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ جس دل کے اندر فرقہ پرست اور دین فروش احبار و رہبان 'کی محبت و قدر منزلت اور احترام ہو اس کے اندر رب ذوالجلال کی بندگی کا جذبہ اخلاص فروغ نہیں پا سکتا اور وہ کبھی بھی تسلیم و رضا کے درجہ تک نہیں پہونچ سکتا بلکہ وہ ہمیشہ تذبذب اور دوغلے پن یعنی منافقت کے مرض میں مبتلا رہتا ہے۔ اسلام کے مشن کو ایسے بے ہمتوں کی ضرورت نہیں 'اللہ کو وہ مجاہد مطلوب ہیں جو جان و مال کے عوض جنت کا سودا کریں اور ہر قسم کے ارتیاب سے پاک ذہن کے ساتھ میدان قتال میں "بنیان مرصوص" بن جانے کا حوصلہ پیدا کریں۔ دراصل بگڑی ہوئی قوم میں سے ایسے لوگوں کو چھانٹ لینے کے لئے کفر بالطاغوت کے جوہر سے آراستہ دعوت ابراہیمی کی ضرورت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسی لئے دعوت کے اس جوہری اصول پر اتنا زور دیا ہے۔ یہ بات بھی قابل غور ہے کہ اللہ تعالیٰ نے "قد کانت لکم اسوۃ حسنۃ......" کے موثر کلمات کے ذریعے اس کو نہ صرف آخری رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام بلکہ پوری امت کے لئے اسوہ حسنہ قرار دیا اور ساتھ ہی آگے والی آیت میں زیادہ شدت کے ساتھ زور دیتے ہوئے اس بات کو دہرایا۔

○ --لقد کان لکم فیھم اسوۃ حسنۃ......الحمید (الممتحنہ۔۶)

ترجمہ۔ البتہ انہی (لوگوں کے طرز عمل) میں آپ لوگوں کے لئے اور ہر اس شخص کے لئے اچھا نمونہ ہے جو اللہ پر ایمان اور یوم آخرت پر یقین رکھتا ہو۔ لیکن جو روگردانی کرے تو اللہ بے نیاز اور اپنی ذات میں آپ ہی محمود ہے۔

یہاں دو ٹوک الفاظ میں واضح کر دیا کہ تمام ایمان داروں کے لئے جو اللہ پر ایمان رکھتے ہیں اور یوم آخر کی پیشی کے امیدوار ہیں ان کے لئے ابراہیم علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں کے (کفر بالطاغوت کے) طرز عمل میں ایک عمدہ نمونہ ہے۔ انہوں نے اللہ اور یوم آخرت پر ایمان لانے کے بعد طاغوت سے محبت کی بجائے نفرت اور بیزاری کا رویہ اختیار کیا تو اب تمہارے لئے بھی یہی اسوہ حسنہ ہے۔ لیکن یہ بھی یاد رہے کہ ایمان کا اقرار کرنے کے بعد جس کسی نے بھی طاغوت سے محبت اور تعلق خاطر کی روش اپنائی تو اللہ بے نیاز ہے یعنی اس روش کے ساتھ وہ یکسوئی اور انابت الی اللہ کی صفت سے قطعاً محروم رہے گا اور اس صورت میں ایمان کی نعمت سے ذرا بھی فائدہ نہ اٹھا سکے گا۔

اب یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ رب ذوالجلال نے اپنے فضل خاص سے اس تاریک اور فتنہ پرور ماحول میں اس خطہ زمین میں یہ انقلابی دعوت اسی انداز سے اٹھوائی اور اس کی توفیق و تائید سے ایک جواں ہمت مجاہد اسوہ ابراہیمی کو لے کر اٹھا اور شخصیت پرستی کے شجر خبیثہ پر تیشہ چلایا۔ قرآن حکیم و فرقان حمید کی کسوٹی پر مختلف فرقوں اور مکاتیب فکر کے اکابرین 'احبار و رہبان کے عقائد کو یکسر باطل ثابت کر دکھایا حتیٰ کہ قد آور شخصیات جو سر کا تاج اور آنکھ کا تارا بنی ہوئی تھیں اولیاء الشیاطین ثابت کر دی گئیں۔ الحمدللہ 'ایمان خالص کی یہ دعوت حق ملک کے طول و عرض میں لوگوں کے دلوں میں اتر چکی ہے اور اس مقدس مشن کو پروان چڑھانے کے لئے بے شمار مراکز قائم ہو

(باقی صفحہ ۹ پر)

کبر علی المشرکین ما تدعوھم الیہ

انیس الدین

انتہائی عظیم، حکیم و باکمال ہے اس کائنات کا خالق و مالک جس نے ایک حقیر شے کو مختلف مراحل سے گزار کر انسانی وجود بخشا۔ اور بلاشبہ احسن الخالقین نے اس کو بہترین مخلوق بنایا، نہایت ہی عمدہ اور پروقار پیکر عطا فرمایا۔ پھر عظیم منصوبہ امتحان کے تحت اس کو اعلیٰ صلاحیتوں سے نوازا اور مخلوقات عالم کو اس کی خدمت کے لیے مسخر کر دیا۔ بنی نوع انسان کی آفرینش کے ساتھ اس کو اس امتحان کا شعور بھی عطا فرمایا کہ ایک ازلی عہد کے ذریعہ خاص اپنی بندگی کا پابند بنا دیا۔ یہ بھی رب العالمین کا بے انتہا فضل و کرم ہے کہ اس عہد کی پیہم یاد دہانی کے لیے انبیاء علیہم السلام کو لگاتار مبعوث فرمایا اور ان کو انسانی فکر و نظر، عقیدہ و ایمان اور اخلاق و کردار کی صحیح معنوں میں اصلاح کا ذریعہ بنایا۔ یہ سلسلہ برابر جاری رہا یہاں تک کہ آخری رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرما کر پسندیدہ دین اسلام کو پایہ تکمیل تک پہنچا دیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مردہ پرست قوم کو اللہ واحد کی بندگی کی طرف پکارا اور بھرپور انداز میں سمجھایا کہ یہ نبی اور ولی جن کو تم زندہ سمجھ کر مشکل کشائی اور حاجت روائی کے لیے پکارتے ہو، ان کو نافع و ضار تسلیم کرتے ہوئے ان سے مانگتے ہو، ان کے وسیلہ کو دعاؤں کی قبولیت کا ذریعہ سمجھتے ہو، تو یاد رکھو کہ یہ بالکل ہی مردہ ہیں، ان کے لاشے بے جان ہیں ان میں زندگی کی رمق بھی نہیں، یہ تمہارے حالات سے بالکل بے خبر ہیں۔ اللہ حی لایموت کو اکیلا رب مانو اس کے ساتھ اس کی مخلوق کو شریک نہ کرو۔ اس انقلابی پیغام، بے لاگ اور سچی بات کو تھوڑے ہی سعید الفطرت ہمت وروں نے مانا، اپنے ایمان و عقیدہ کو شرک کی آمیزش سے پاک کر کے اس مشن کا ساتھ دیا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی تائید و نصرت سے ان کو فتح و کامرانی سے ہمکنار فرمایا، اللہ کے دین کو تمکن حاصل ہوا، قبروں اور مورتیوں کی شکل میں مردوں کو پوجنے والی قوم ذلت و رسوائی سے دوچار ہوئی۔ اسلام غالب ہوا اور اللہ کی زمین عدل و انصاف اور امن و سکون کا گہوارہ بنی، انسانی تاریخ کا ایک روشن باب مرتب ہوا۔

نبی علیہ السلام کے تیرہ سالہ مکی اور دس سالہ مدنی دور میں یہ بات کھل کر سامنے آ گئی کہ دعوت حق کے شدید ترین مخالف ایک طرف تو عقل و دانش والے سرداران قریش تھے جو بیت اللہ کی نگرانی و خدمت کا منصب سنبھالے ہوئے تھے تو دوسری طرف اہل کتاب کے علماء اور مشائخ تھے جن کا معاشرے میں اعلیٰ مقام تھا۔ ان سب کا ایمان و عقیدہ شرک سے بری طرح آلودہ تھا اور ان کے عقیدہ کے بگاڑ کا بنیادی سبب یہ نظریہ تھا کہ مردہ زندہ ہے، پکار سن سکتا ہے، زندوں کو فیض پہنچا سکتا ہے۔ قرآن و حدیث میں انتہائی شدت کے ساتھ اس

مشرکانہ عقیدہ کا رد کیا گیا ہے۔ نبی علیہ السلام کو ان کے اس باطل عقیدہ (یعنی مردہ کا زندہ ہونا جو قبر پرستی کی بنیاد تھا) کا شدید احساس تھا چنانچہ آپؐ نے علی رضی اللہ عنہ کو حکم دیا تھا کہ "جو بھی اونچی قبر نظر آئے اس کو زمین کے برابر کر دیا جائے......" (مسلم)۔ اس کے علاوہ مسلم کی دوسری روایت میں ہے کہ نبی علیہ السلام نے قبروں کو پکا بنانے' ان پر عمارت تعمیر کرنے اور وہاں مجاور بن کر بیٹھنے سے منع فرمایا" (مسلم عن جابرؓ) نبی علیہ السلام کو قوم کے اس مشرکانہ نظریہ قبر پرستی سے کس قدر شدید نفرت اور بیزاری تھی' اس کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ زندگی کے آخری ایام میں بھی اس کا شدت سے اظہار ہو رہا ہے۔ جس کی منظر کشی بخاری و مسلم کی روایات کرتی ہیں۔ نبی علیہ السلام مرض الموت میں اپنی چادر کے کنارے کو بار بار چہرہ پر ڈالتے ہیں' سانس رکنے لگتا ہے تو چادر کو چہرہ سے ہٹا دیتے ہیں۔ بیماری کی انتہائی شدت ہے لیکن اس عالم میں بھی امت ہی کی فکر دامن گیر ہے' بار بار فرماتے ہیں "اللہ یہود و نصاریٰ پر لعنت فرمائے' انہوں نے انبیاء و صلحاءؑ کی قبروں کو سجدہ گاہ بنا لیا۔ اللہ یہود و نصاریٰ کو ہلاک کرے' انہوں نے انبیاء و صالحین کی قبروں کو سجدہ گاہ بنایا۔ بدترین ہیں وہ لوگ جو انبیاء کی قبروں کو سجدہ گاہ بنائیں۔ میں تمہیں اس سے منع کرتا ہوں۔" پھر یہ بھی فرماتے تھے کہ "یہ ایسے لوگ ہیں کہ جب ان میں سے کوئی نیک شخص مر جاتا ہے تو اس کی قبر پر مسجد بنا لیتے' پھر ان لوگوں کی تصاویر و مورتیاں بنا لیتے۔ یہی لوگ ہیں جو روز قیامت بدترین مخلوق قرار دیے جائیں گے۔"

الغرض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے آخری ایام میں قبر پرستی کے فعل شنیع سے سخت نفرت و بیزاری کا اظہار فرمایا اور اس فعل کے مرتکبین کو لعنت و ہلاکت کا سزاوار ٹھہرایا۔ کس قدر حیرت کی بات ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبر پرستی کے شجر خبیثہ کی جس شدت سے بیخ کنی فرمائی' یہ حب رسول کی دعویدار' نام نہاد امت مسلمہ اتنی ہی شدت عقیدت کے ساتھ اس کی آبیاری میں سرگرم عمل ہے! قبریں پکی بن رہی ہیں' ان پر قیمتی پتھر نصب کیے جا رہے ہیں' خوشنما گنبد تعمیر ہو رہے ہیں۔ پھر ان لوگوں کی تمناؤں اور عقیدتوں کے مراکز پر چادریں اور نذرانے ہیں' عرس اور میلے ہیں' ان مزار و مقبروں پر سجدے اور طواف ہیں' صاحب مزار سے عقیدت و خشیت ہے۔ دعائیں اور التجائیں ہیں غرضیکہ بندگی کا کونسا انداز ہے جو یہاں بجا نہ لایا جاتا ہو اور کیوں نہ ہو' ان کو یقین ہے کہ یہاں اولاد ملتی ہے' مراد پوری ہوتی ہے' یہاں کھوٹی قسمت کھری ہوتی ہے یعنی صاحب قبر قسمت بنانے والے ہیں (معاذ اللہ)۔ پھر یہاں کیوں نہ شائقین کے ہجوم ہوں؟ چنانچہ مسجدیں ویران اور یہ مزار اور مقبرے آباد ہیں۔ اس طرح ببانگ دہل تعلیمات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا مذاق اڑایا جا رہا ہے اور ایمان و اسلام کی بنیادوں کو کھوکھلا کر کے رب ذوالجلال کے قہر و غضب کو دعوت دی جا رہی ہے۔ فریب کاری کا انداز بھی خوب ہے کہ حقیقت پر پردہ ڈالنے کے لیے اس "پوجا پاٹ" کو تعظیم و تکریم یا ایسے ہی دوسرے نام دے دیے ہیں گویا نام بدلنے سے حقیقت بدل گئی۔ کیا زہر کی بوتل پر تریاق کا لیبل لگانے سے اس کی خاصیت بدل جائے گی؟

کیسی ستم ظریفی ہے کہ اپنے جیسے انسان کو مرے پیچھے حاجت روا و مشکل کشا بنا لیا جاتا ہے' بے پناہ قوت و اختیار اور تصرف کا حامل قرار دے لیا جاتا ہے! حالانکہ قرآن کے ارشاد کے مطابق تمام انسان مجبور محض ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو محض اپنی عبادت کے لیے پیدا کیا ہے' خواہ وہ عام انسان ہو یا کوئی نبی' ولی یا شہید' سب اس کی بندگی کے لیے پیدا کیے گئے ہیں نہ کہ اپنی خدائی کے لیے یا خدائی میں شرکت

کے لیے قرآن و صحیح احادیث نے اس اہم مسئلہ توحید و شرک کو تشنہ نہیں چھوڑا بلکہ اس کے ہر پہلو کی پوری وضاحت کردی ہے۔ تو پھر آخر یہ قبرپرستی کا زہر اس امت کی رگ و پے میں کیوں کر سرایت کر گیا؟

تاریخی شواہد کے بہ نظر غائر مطالعہ سے معلوم ہوا کہ اسلام کے قصر ذیشان میں نقب زنی تیسری صدی ہجری میں ہوئی جبکہ مسئلہ خلق قرآن کے ہیرو امام احمد بن حنبل نے صراحتاً یہ موقف پیش کیا کہ اس بات پر ایمان ہونا چاہیے کہ قبر کے اندر مردے میں اس کی روح کو لوٹا دیا جاتا ہے۔" (طبقات حنابلہ' مناقب احمد بن حنبل وغیرہ) بعد ازاں ان کے مسلک پرستوں اور متبعین نے اس عقیدہ کا خوب زور و شور سے پرچار کیا یہاں تک کہ اس کو پیغام ربانی کی طرح بسرو چشم قبول کرلیا گیا۔ پھر جب مردہ زندہ ہوگیا (اور زندوں سے بھی زیادہ فراست و صلاحیت والا!) تو پس قبوری دین کا راستہ کھلا' قبریں پختہ ہوئیں۔ عالیشان مقبرے تعمیر ہوئے' مجاورت کا بازار گرم ہوا اور وہ سب کچھ ہونے لگا جو آج مزارات و مقابر پر نظر آتا ہے۔ انتہائی افسوس اور دکھے دل کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ احبار و رہبان کے ہاتھوں جس جوش و خروش سے اس قبوری دین اور اس کے بنیادی عقیدہ کو شرف قبولیت بخشا گیا تھا اس سے زیادہ والہانہ انداز اور جذبہ وارفتگی کے ساتھ اب اس نظریہ کا دفاع کیا جارہا ہے۔ کتاب اللہ کی طرف رجوع کریں تو معلوم ہوگا کہ رب العالمین نے وجود انسانی کی حقیقت و حیثیت کو اس کے ابتدائی مرحلہ سے آخری مرحلہ تک پوری وضاحت و صراحت سے بیان فرمادیا ہے اور کسی بھی قسم کی قیاس آرائی کے لیے کوئی گنجائش نہیں چھوڑی۔ سورۃ المومنون کی آیات میں تخلیقی مراحل' پیدائش' موت اور بعث بعد الموت کا ذکر کس صراحت سے کیا گیا ہے' ملاحظہ

> ولقد خلقنا الانسان من سللة من طين ○ ثم جعلنه نطفة فی قرار مكين ○ ثم خلقنا النطفة علقة فخلقنا العلقه مضغة فخلقنا المضغة عظاما فكسونا العظام لحما ثم انشانه خلقا اٰخر فتبٰرک اللہ احسن الخالقين ○ ثم انكم بعد ذالک لميتون ثم انكم يوم القيامة تبعثون ○ ۔۔۔ (المومنون ۱۲ تا ۱۶)
>
> ترجمہ ہم نے انسانوں کو مٹی کے خلاصے سے پیدا کیا پھر اس کو ایک بوند کی شکل میں محفوظ ٹھکانے میں رکھا۔ پھر ہم نے اس بوند کو جمے ہوئے خون کی پھٹکی بنایا اور اس پھٹکی کو گوشت کے لوتھڑے میں تبدیل کیا۔ پھر اس لوتھڑے کو ہڈیوں کی شکل عطا کرکے ہم نے ہڈیوں کو گوشت کا جامہ پہنایا اور آخر کار اس کو ایک بالکل دوسری مخلوق کی شکل میں وجود بخشا۔ پس بڑا ہی بابرکت ہے اللہ! احسن الخالقین۔ پھر اس زندگی کے بعد تمہیں موت آکے رہے گی اور اس کے بعد قیامت کے دن تم پھر اٹھائے جاؤ گے۔

معلوم ہوا کہ مالک کائنات نطفہ کی ایک بوند کو مختلف مراحل سے گزار کر وجود انسانی بخشتا ہے اور جب تک چاہتا ہے اس کو زندہ رکھتا ہے اور جب چاہتا ہے موت دیدیتا ہے' موت کے بعد پھر قیامت کے دن ہی اٹھا کھڑا کریگا۔ یہ مالک ارض و سماوات' خالق کل شئی' مدبر و منصرم کائنات اور علیم و خبیر کا فرمان اور نص صریح ہے اور قرآن کی متعدد محکم آیات اسکو بیان کرتی ہیں جو آئندہ سطور میں پیش کی گئی ہیں۔ اس کے برعکس دوسری طرف مرنے والے کو قیامت سے پہلے اسی دنیوی قبر میں زندہ ہوجانے' سننے اور سمجھنے' احساس و شعور کا حامل

ہونے کا باطل اور گمراہ کن عقیدہ جس کے اثبات کے لیے منکر و موضوع روایت "فتعاد روحه فی جسده" (یعنی روح کو جسم کے واپس لوٹا دیا جاتا ہے) پیش کی جاتی ہے، ملاحظہ ہو:۔

اعادہ رُوح

صحیح احادیث سے یہ ثابت ہے کہ دفن کے بعد روح کو سوال و جواب کے لئے میت کے جسم کی طرف لوٹایا جاتا ہے مگر عثمانی صاحب اس حقیقت کو تسلیم نہیں کرتے* چنانچہ فرماتے ہیں:

صحیح احادیث سے ثابت ہے کہ مردہ کو ارضی قبر میں راحت یا عذاب سے دوچار کیا جاتا ہے اور یہ سلسلہ قیامت تک جاری رہتا ہے۔ اور یہ سب روح کے تعلق کی وجہ سے ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مردہ احساس رکھتا ہے اور راحت و عذاب کو محسوس کرتا ہے مگر یہ تعلق دنیاوی زندگی کی طرح نہیں ہوتا اس کی کچھ تفصیل پیچھے گزر چکی ہے۔ صحیح احادیث سے یہ بھی ثابت ہے کہ مردہ کو جب دفن کیا جاتا ہے تو سوال و جواب کے لئے اس میں روح لوٹائی جاتی ہے۔ چنانچہ اس سلسلہ میں براء بن عازبؓ کی روایت سب سے زیادہ مشہور ہے۔ (عکس عبارت الدین الخالص پہلی قسط ص ۱۲۳)

اب رہا یہ مسئلہ کہ مردہ شعور رکھتا ہے یا نہیں تو یہ اور اس طرح کی بہت سی احادیث بتا رہی ہیں کہ مردہ نہ صرف شعور رکھتا ہے بلکہ وہ راحت و آرام کو بھی محسوس کرتا ہے اور عذاب کو بھی۔ وہ کلام بھی کرتا ہے جسے ہم اور آپ نہیں سن سکتے

(ایضاً ص ۴۸)

لہ البتہ قبض روح کے بعد جب میت کو دفن کر دیتے ہیں تو قبر کے سوال و جواب کے لئے اسے دوبارہ لوٹا دیا جاتا ہے۔

(عکس الدین الخالص دوسری قسط ص ۲۳۲)

بر جسد عنصری کو اللہ تعالیٰ قبر میں روح کے تعلق کی وجہ سے راحت یا عذاب میں مبتلا رکھتا ہے

(ایضاً ص ۲۳۳)

قرآن کی محکم اور صریح آیات اور صحیح احادیث کے خلاف "عود روح" یعنی ارضی قبر میں مردہ کے زندہ ہونے کا موقف اختیار کیا گیا ہے۔ غور کرنے کی بات ہے کہ قبر پرستی کے شرک کی بنیاد فراہم کرنے والے اللہ کی پکڑ سے کیسے بے خوف ہیں اس کا اندازہ خود ان ہی کی تحریروں سے کیجئے۔ اپنے اکابرین اور ان کے باطل عقیدہ کے دفاع کے لیے کس طرح فریب کارانہ انداز اختیار کرتے ہیں اور الفاظ کے الٹ پھیر سے لوگوں کو گمراہ کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

> لیکن مختصر طور پر یہ بتلادیں کہ روح لوٹائے جانے کے باوجود بھی یہ حیات برزخی ہے اور وہ میت جس کی طرف روح لوٹائی جاتی ہے اسے کوئی بھی دنیا کی طرح زندہ نہیں مانتا کیونکہ محسوس حیات دنیا اور آخرت کے ساتھ مخصوص ہے۔
> حیات برزخی ایک غیر محسوس حیات ہے۔ جسے اللہ پاک نے تمام انسانوں اور جنوں سے پردہ غیب میں رکھا ہے۔ لہذا روح لوٹائے جانے کے باوجود بھی (جیسا کہ روح لوٹائے جانیکا تذکرہ صحیح احادیث میں آیا ہے) وہ میت، میت ہی رہتی ہے اور اس پر میت ہی کا اطلاق کیا جاتا ہے۔ موصوف کا خیال ہے کہ روح لوٹائے جانے پر میت دنیا کی طرح زندہ ہوجانی چاہیے اور یہی سخت مغالطہ ہے جس میں وہ مبتلا ہیں۔

(عکس عبارت الدین الخالص پہلی قسط ص ۲۸، ۲۹)

ملاحظہ کیجئے کہ اکابرین کے قول کو پتھر کی لکیر قرار دے کر کس طرح ارضی قبر میں مردہ کی حیات کو باور کرانے کی کوشش کی جارہی ہے۔ قرآن و صحیح احادیث کے خلاف مردہ میں "یعنی دنیاوی گڑھے میں رکھے اسی لاشے میں" روح لوٹائی گئی اور مردہ زندہ ہوگیا لیکن "دنیا کی طرح زندہ نہیں ہوا" یہ عجیب منطق ہے اور قرآن و حدیث کے صریحاً خلاف ارباباً من دون اللہ کی اختراع ہے۔ دراصل مردہ کو زندہ کرکے جس باطل موقف کے ذریعہ حقیقت کو جھٹلا دیا گیا اب اسکو نبھانا بھی ضروری ہے ورنہ کوئی کہہ بیٹھے گا کہ جناب یہ اگر مردہ زندہ ہے تو پھر در گور کیوں ہے' اس کو باہر نکالیں! چنانچہ اس کی پیش بندی کے لیے یہ منطق اختراع کی گئی کہ "یہ حیات غیر محسوس ہے" طاغوت پرستی کا انداز بھی کیا خوب ہے۔ نص صریح کے خلاف جھوٹے عقیدہ کو صحیح ثابت کرنے کے لئے کتنے ہی جھوٹ بولنا پڑیں، منطق حیلے تراشنا پڑیں، سب گوارا ہیں لیکن کتاب اللہ کی سچی اور محکم بات کو من و عن تسلیم کرلینا انہیں پہاڑ معلوم ہوتا ہے! ایسے ہی لوگوں کے لیے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

کبر علی المشرکین ماتدعوھم الیہ...... (الشوریٰ - ۱۳)

یعنی (اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم) آپ کی دعوت ان مشرکوں پر سخت گراں گزرتی ہے۔

ماوالو ذرا اس بات پر غور کرو کہ عالم دنیا میں انسان اپنے وجود عنصری کے ساتھ محسوس شے ہے غیر محسوس نہیں۔ سیاہ کو سفید کہنا اور سفید کو

ملے موصوف اپنی محولہ بالا عبارت میں یہ بھی فرماتے ہیں کہ "وہ میت جسکی طرف روح لوٹائی جاتی ہے اسے کوئی بھی دنیا کی طرح زندہ نہیں مانتا۔" اس طرح موصوف نے اپنے آپ کو قدیم و جدید تمام ہی قبر پرستوں کے ہم عقیدہ ہونے کا اعلان فرمادیا ہے۔ دنیا والے مردے میں جس نوعیت کی حیات مانتے ہیں یا مانتے رہے ہیں قرآن اس کا اور مردہ لاشے کی ہر نوع حیات کا "اموات غیر احیاء" کے ذریعہ صریح اور بلیغ انداز میں رد کرتا ہے۔

سیاہ، نور کو تاریکی کہنا اور تاریکی کو نور، مردہ کو زندہ کہنا اور زندہ کو مردہ، یہ کہاں کی دانشمندی ہے! جب تک روح و جسم کا اتصال رہتا ہے انسان حیات دنیا سے تمتع کرتا ہے، شعوری طور سے قوانین عالم کے ماتحت رہتا ہے لیکن موت اس تعلق کو قطعاً منقطع کر دیتی ہے، اور موت کے معنی ہیں جسم سے روح کا نکل جانا، جسم کا بے جان لاشہ بن جانا، جس کو خواہ گڑھے میں دبایا جائے یا جلایا جائے، یا وہ عجائب گھر و سائنسی میوزیم کی زینت بنے یا کسی جانور کی خوراک، اب قیامت تک روح و جسم کا اتصال ممکن نہیں اور جسم و روح کے درمیان "قیامت تک برزخ" یعنی آڑ ہے جو آہنی دیوار سے بھی زیادہ ناقابل عبور ہے۔ قرآن کا یہی فیصلہ اور اس سلسلے میں نص صریح ہے۔ قیامت تک کی مدت میں یہ ارواح عالم برزخ میں ہیں (اور اس عالم کا اس دنیا سے کوئی تعلق نہیں، اسی لیے اس کو عالم برزخ کہا گیا ہے)۔ انبیاء شہدا اور صالحین جنت کی راحتوں میں ہیں اور کافر و مشرک اور فاسق و فاجر جہنم کے عذاب میں، اپنے درجات اور ایمان و عمل کے لحاظ سے ہوں گے۔ اسی لیے شہداء کی حیات برزخ کا ذکر فرما کے بتایا گیا کہ :

○۔۔۔بل احیاء ولکن لا تشعرون○ (البقرہ : ۱۵۴)

"بلکہ وہ زندہ ہیں لیکن تمہیں اس کا شعور نہیں۔"

پھر کچھ وضاحت فرمائی کہ :

○۔۔۔بل احیاء عند ربھم یرزقون○ (آل عمران : ۱۶۹)

"بلکہ وہ زندہ ہیں اپنے رب کے پاس وہاں رزق پا رہے ہیں۔"

ظاہر ہے کہ یہ سب عالم برزخ میں ہیں اس دنیا میں زندہ در گور نہیں۔ مزید یہ ہے کہ نبی علیہ السلام نے جنت میں شہداء کی زندگی کے بارے میں تفصیلاً وضاحت فرما دی کہ وہ سبز اڑنے والے قالبوں میں جنت کی وسعتوں میں گھومتے پھرتے اور ہر طرح کی نعمتیں پا کر خوش و خرم ہیں۔ (مسلم)۔ جس کی تصدیق اللہ کی کتاب 'فرحین بما اٰتٰھم اللہ من فضلہ۔۔۔۔ (آل عمران : ۱۷۰) کے الفاظ میں کرتی ہے۔

اسی طرح صاحب یٰسین نے جنت میں یہ خواہش کی کہ "کاش میری قوم جان لے کہ میرے رب نے میری مغفرت فرمائی اور مکرم بندوں میں مجھے شامل فرمایا۔" یہی حیات برزخ ہے جو ہمارے شعور و ادراک (عالم محسوسات) سے یکسر ماوراء ہے اور اس جہان رنگ و بو سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔ دنیا والوں کو دنیا کی اشیاء اور معاملات کا شعور ہوتا ہے نہ کہ عالم برزخ کے معاملات کا۔ ذرا سنو، اور کان کھول کر سنو! اس جہاں رنگ و بو سے تعلق حیات دنیا تک ہے (برائے عمل و امتحان) اور موت اس تعلق کو قیامت تک کے لیے ختم کر دیتی ہے۔ خیر القرون کے لوگ جو صحیح معنوں میں راسخون فی العلم تھے، ان کا یہی عقیدہ رہا ہے جو محکم آیات اور صحیح احادیث کے مطابق ہے۔ اس کے برعکس متشابہ، ضعیف و موضوع روایات اور منطقی استدلال کا سہارا لینا صریح گمراہی ہے۔ رب کریم کا فضل و کرم ہے کہ اس نے اس مسئلہ کی ایسی وضاحت فرما دی کہ کوئی بھی گوشہ خالی نہیں چھوڑا اور باطل تاویلات کا قطعاً سدباب فرما دیا اور گمراہ کن شیطانی منطق کے بخئے ادھیڑ کر رکھ دیئے۔ (فالحمدللہ علی ذالک) سورۃ النحل میں ایمان کی دعوت دیتے ہوئے غیر اللہ کی پکار کو باطل ثابت کرتے ہوئے بتا دیا گیا کہ :

○ ...... اموات غیر احیاء وما یشعرون ایان یبعثون ○ ...... (النحل : ۲۱)

یعنی نبی وولی جن کو موت کے بعد حاجت روائی و مشکل کشائی کے لیے پکارا جا رہا ہے) وہ بالکل مردہ ہیں ان میں جان کی رمق تک باقی نہیں۔ انہیں تو اپنے متعلق یہ بھی علم نہیں کہ وہ کب زندہ کر کے اٹھائے جائیں گے۔ قرآن میں یہ محض تکلفاً نہیں کہا گیا' یہ حقیقت نفس الامری ہے' نص قطعی ہے۔ اس طرح حیات دنیاوی کے بعد موت قطعی کی واضح تشریح فرما دی گئی اور یہ محکم بات بھی بیان کر دی گئی کہ "بعث بعد الموت" قیامت سے قبل ممکن ہی نہیں۔ جسم سے روح کا نکلنا موت ہے اور یہ موت قطعی ہے کہ جان کی رمق بھی باقی نہیں رہتی (یعنی روح کے ساتھ کوئی تعلق باقی نہیں رہتا اور یہ تعلق پھر دوبارہ قیامت کے دن ہی قائم ہو گا)۔ اب روح اور مردہ جسم کے تعلق کو (قبل از قیامت) ثابت کرنے کے لیے ان اکابر پرستوں کی ساری کوشش محض سعی لاحاصل ہے' ریت پر عمارت تعمیر کرنا ہے۔ یہ بات بھی قابل غور ہے کہ ایک طرف قرآن تو مردے کو قطعاً مردہ ثابت کرتا ہے تو دوسری طرف ان کے بزرگان فرماتے ہیں :

"یہ زندہ ہو جاتا ہے" زائرین کو پہچانتا ہے' نر و مادہ کی تشخیص کر لیتا ہے" یعنی "مردہ" "زندہ" سے زیادہ صاحب ذہانت و فراست ہو گیا ملاحظہ فرمایئے کتاب اللہ کو جھٹلانے کا کیسا بے باکانہ انداز ہے!

موصوف نے اپنی مزعومہ "معرکۃ الآراء کتاب الدین الخالص" (اول' دوم) میں یوں تو بے شمار شگوفے چھوڑے ہیں جن کا انشاء اللہ وقتاً فوقتاً آپریشن ہوتا رہے گا' لیکن یہاں ان کے اس علمی نکتے کی طرف توجہ مبذول کرانا مقصود ہے کہ جس میں اکا مرکب ذہن تمام ہی حدود سے تجاوز کر گیا ہے' ملاحظہ ہو:

> ہاں اگر عثمانی صاحب یہ کہیں کہ قرآن کریم میں مردہ کے شعور کی کلی طور پر نفی کی گئی اور دلیل کے طور پر یہ آیت پیش کریں۔
>
> اَمْوَاتٌ غَيْرُ اَحْيَآءٍ ۚ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ۙ اَيَّانَ يُبْعَثُوْنَ ○ (نحل۔ ۲۱)
>
> یہ مردہ ہیں ان میں زندگی کی رمق تک باقی نہیں اور ان کو یہ تک معلوم نہیں کہ وہ (قبروں سے) کب اٹھائے جائیں گے۔
>
> تو ہم عرض کریں گے کہ یہ اور اس طرح کی دوسری آیات حیات دنیوی کی نفی کرتی ہیں۔ اور بلاشبہ میت میں دنیاوی زندگی کی رمق بھی باقی نہیں رہتی۔ البتہ زندگی کے جن مراحل سے وہ اب گزر رہا ہے وہ برزخی حیات ہے۔ اور برزخی حیات کا ثبوت خود قرآن کریم میں موجود ہے۔ رہا یہ اعتراض کہ ان کو تو یہ شعور ہی نہیں کہ وہ قبروں سے کب اٹھائے جائیں گے تو اس میں مردہ کی کوئی خصوصیت نہیں بلکہ زندہ انسانوں کو بھی اس کا مطلق شعور نہیں ہے کہ وہ قبروں سے کب اٹھائے جائیں گے یا یہ کہ قیامت کب برپا ہو گی۔ کوئی بھی اس کا علم یا شعور نہیں رکھتا۔
>
> (خوالدین الخالص قسط اول ۵۴' ۵۵)

ملاحظہ فرمایا کہ رب ذوالجلال کے حکیمانہ کلام یعنی حکمت ربانی کو کس طرح موصوف کے بے لگام قلم نے جواباً ہدف تنقید بنایا ہے!'

گویا کہ اللہ تعالیٰ کا مردوں کیلئے یہ فرمان کہ :

"انہیں یہ بھی نہیں معلوم کہ کب اٹھائے جائیں گے"

سراسر بے مقصد ہے (معاذ اللہ!) جبکہ زندوں کو بھی یہ نہیں معلوم ہوتا کہ وہ کب اٹھائے جائینگے!۔ یعنی موصوف کے مطابق زندہ انسان بھی اس ضعف اور کمزوری سے متصف ہیں۔ تو مردوں کیلئے اس کا ذکر کرنے کا کیا فائدہ؟ دراصل یہ وہی جواب کا انداز ہے جو ابلیس لعین کی نسبت قرآن میں ذکر کیا گیا ہے۔ اس ملعون نے تکبر کے نشہ میں سرشار ہو کر اپنی ذہانت اور فراست کو اتنا بلند و بالا تصور کر لیا کہ رب ذوالجلال کو چیلنج کر دیا کہ

"میں اس سے (آدمؑ سے) بہتر ہوں' تو نے مجھے آگ سے پیدا کیا اور اسے مٹی سے بنایا (بہتر مخلوق کمتر کو کیوں سجدہ کرے؟ گویا تیرا فیصلہ عدل و انصاف کے خلاف ہے' معاذ اللہ)...... (اعراف:۱۲) صاف ظاہر ہے کہ موصوف اسی تکبر کے جرثومہ کا شکار ہیں ورنہ جواب دہی کا احساس رکھنے والا خوف و خشیت کا حامل انسان تو عجز و انکساری کا پیکر ہوتا ہے' نہ اسکی زبان بے لگام ہوتی ہے نہ قلم۔ یہاں معمولی غور و فکر سے یہ بات سمجھ میں آجاتی ہے کہ رب ذوالجلال نے مردہ کے احساس و شعور کی نفی اور مردہ پرستوں کے اس عقیدہ پر چوٹ کی ہے کہ وہ مردوں کو مالک کائنات کا مد مقابل قرار دے کر ان کو عالم الغیب' حالات سے باخبر اور صاحب تصرف ہونے کا عقیدہ رکھتے تھے جو سراسر باطل اور قطعی بے بنیاد ہے۔

الغرض اللہ تبارک و تعالیٰ نے اس مسئلہ کی اہمیت کے پیش نظر اس کو ایک دو جگہ نہیں بلکہ متعدد آیات میں صراحت کے ساتھ واضح فرما دیا ہے اور ہر جگہ ایک دنیا کی زندگی اور ایک قیامت کی زندگی کا ذکر فرمایا ہے' کہیں دو موتوں کا بھی ذکر فرما دیا جیسا کہ سورۂ بقرہ میں فرمایا :- كيف تكفرون بالله و كنتم امواتاً فاحياكم ثم يميتكم ثم يحييكم ثم اليه ترجعون.....(البقرہ : ۲۸)

"تم اللہ کے ساتھ کفر کا رویہ کیسے اختیار کرتے ہو' حالانکہ تم بے جان تھے اس نے تمہیں زندگی عطا فرمائی' پھر تمہاری جان سلب کرے گا پھر وہی تمہیں دوبارہ زندگی عطا فرمائے گا' پھر تم اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔"

سورۃ المومن میں یوم حساب کے فیصلہ کے وقت کفار کا قول بیان کیا گیا : ۔

قالوا ربنا امتنا اثنتين و احييتنا اثنتين فاعترفنا بذنوبنا فهل الى خروج من سبيل ○ (المومن : ۱۱)

"کافر کہیں گے کہ اے ہمارے رب' تو نے واقعی ہمیں دو مرتبہ موت دی اور دو مرتبہ زندگی دی اب ہم اپنے گناہوں کا اعتراف کرتے ہیں کیا اب یہاں سے نکلنے کی بھی کوئی راہ ہے۔"

ان آیات اور دیگر متعدد آیات سے قطعیت کے ساتھ یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ اس جسم کے لیے صرف دو زندگیاں اور صرف دو موتیں ہیں تو پھر دنیاوی قبر میں اسی جسم کی تیسری زندگی اور تیسری موت کا نظریہ کہاں سے برآمد کر لیا گیا۔ اس تیسری زندگی کو نام کچھ بھی دیا جائے اور اس کی کیسی ہی منطقی تاویل کی جائے اس جسم کی تیسری زندگی قرآن و حدیث کے صریح خلاف ہے اور اس کا جواز تلاش کرنا یا دفاع کرنا محض گمراہی ہے۔ اب یہ اور بات ہے کہ مسلک پرستی اور اکابر پرستی کے مرض میں مبتلا قبوری دین کی عمارت تو اسی خود ساختہ

تیسری زندگی کے عقیدہ پر قائم کی گئی ہے اور اس کے اثبات و دفاع ہی پر اس دین کا دارومدار ہے۔ اگر یہ تیسری زندگی کے باطل موقف سے رجوع کر لیں تو ریت پر استوار یہ عمارت دھڑام سے زمین پر آ رہے گی اور ان کے قد آور اکابرین کا فرد مشرک اور شیوخ و علامہ جاہل ٹھہریں گے۔ حقیقت یہ ہے کہ قرآن و حدیث کی سچی بات پر سر تسلیم خم کر دینے کے لیے اس ایمان و علم کی ضرورت ہوتی ہے جو بالغیب خشیت پیدا کرے اور یوم حساب کا خوف اکابر پرستی، نفس پرستی، انانیت، خود ستائی و خود پسندی کے جراثیم کا قلع قمع کر ڈالے۔ پھر کہیں وہ ہمت و جرات پیدا ہوتی ہے جو باطل کا مردانہ وار مقابلہ کرے، طاغوت کا کفر کرے اور طاغوت پرستوں کو للکارے۔ دعوت حق ایسے ہی ہمت ور رجال کو مخاطب کرتی ہے اور رب ذوالجلال ان ہی کو اس مشن کی ذمہ داری کے لیے تیار کرتا ہے۔ رہے یہ دنیا کی طرف جھکنے والے، 'و[illegible]' کی بڑائی اور تعریف و تحسین اور بلند و بالا القاب کے شیدائی، نفس پرست و اکابر پرست تو یہ اپنے آبائی مسلک کے دفاع کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگاتے ہوئے، قرآن و حدیث کی غلط تاویل اور باطل استدلال سے بھی گریز نہیں کرتے۔ تیسری زندگی کے موقف کے دفاع کے لیے ایسی ہی ایک مثال پیش کی جاتی ہے ملاحظہ ہو:-

یہ درست ہے کہ ہر انسان کے لئے دو زندگیاں اور دو موتیں ہی مقرر کی گئی ہیں مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ قرآن کریم میں بعض لوگوں کی تین زندگیوں اور تین موتوں کا بھی تذکرہ ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

(۱) أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ خَرَجُوا مِن دِيَارِهِمْ وَهُمْ أُلُوفٌ حَذَرَ الْمَوْتِ فَقَالَ لَهُمُ اللَّهُ مُوتُوا ثُمَّ أَحْيَاهُمْ (بقرہ: ۲۴۳)

تم نے ان لوگوں کے حال پر بھی غور کیا جو موت کے ڈر سے اپنا گھر بار چھوڑ کر نکلے تھے۔ اور ہزاروں کی تعداد میں تھے۔ اللہ نے ان سے فرمایا مر جاؤ۔ پھر اس نے ان کو دوبارہ زندگی بخشی۔

اس آیت سے واضح طور پر تین زندگیوں اور تین موتوں کا ثبوت ملتا ہے۔

(۲) وَإِذْ قُلْتُمْ يَا مُوسَىٰ لَن نُّؤْمِنَ لَكَ حَتَّىٰ نَرَى اللَّهَ جَهْرَةً فَأَخَذَتْكُمُ الصَّاعِقَةُ وَأَنتُمْ تَنظُرُونَ ۝ ثُمَّ بَعَثْنَاكُم مِّن بَعْدِ مَوْتِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ۝ (بقرہ: ۵۵، ۵۶)

یاد کرو جب تم نے موسیٰ سے کہا تھا کہ ہم تمہارے کہنے کا ہرگز یقین نہ کریں گے جب تک کہ اپنی آنکھوں سے علانیہ اللہ کو (تم سے کلام کرتے) نہ دیکھ لیں۔ اس وقت تمہارے دیکھتے دیکھتے ایک زبردست صاعقہ نے تم کو آلیا۔ پھر ہم نے تمہاری موت کے بعد تمہیں دوبارہ زندہ کر کے اٹھایا شاید کہ تم شکر گزار بن جاؤ۔

یہ بنی اسرائیل کے ستر نمائندے تھے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ کوہ طور پر اللہ کا کلام سننے گئے تھے۔

(۳) حضرت عیسیٰ باذن اللہ مردوں کو زندہ کیا کرتے تھے۔ چنانچہ انہی کی زبانی اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَأُحْيِي الْمَوْتَىٰ بِإِذْنِ اللَّهِ ۝ (آل عمران: ۴۹)

(حضرت عیسیٰ نے فرمایا) اور میں مردوں کو اللہ کے حکم سے زندہ کرتا ہوں۔

یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ حضرت عیسیٰ نے معجزے کے طور پر کتنے مردوں کو زندہ کیا مگر اتنا معلوم ہے کہ انہوں نے بہت سے مردوں کو زندہ کیا۔

(۴) ایک نبی (حضرت عزیر) کا واقعہ قرآن کریم میں بیان کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر سو سال تک موت طاری فرما دی پھر انہیں دوبارہ زندہ فرما دیا۔

فَأَمَاتَهُ اللَّهُ مِائَةَ عَامٍ ثُمَّ بَعَثَهُ ۝ (البقرہ: ۲۵۹)

پس اللہ تعالیٰ نے ان پر سو سال تک موت طاری فرما دی پھر انہیں زندہ فرما دیا۔

اللہ تعالیٰ نے جب نبی کو زندہ فرمایا تو اس کے بعد ان کی نگاہوں کے سامنے ان کے گدھے کو بھی دوبارہ زندہ کر دیا۔

(۵) حضرت موسیٰ کے زمانے میں ایک اسرائیلی کو کسی نے قتل کر دیا اور قاتل کا پتہ نہیں چل رہا تھا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کو حکم دیا کہ ایک گائے ذبح کر کے اس کا ایک ٹکڑا مقتول کو مارا جائے، چنانچہ وہ مقتول زندہ ہو گیا اور اس نے اپنے قاتل کا نام بتا دیا۔

فَقُلْنَا اضْرِبُوهُ بِبَعْضِهَا ۚ كَذَٰلِكَ يُحْيِي اللَّهُ الْمَوْتَىٰ وَيُرِيكُمْ آيَاتِهِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ (بقرہ: ۷۳)

اس وقت ہم نے حکم دیا کہ مقتول کی لاش کو اس کے ایک حصے سے ضرب لگاؤ۔ اس طرح اللہ تعالیٰ مردوں کو زندہ کرتا ہے اور تمہیں اپنی نشانیاں دکھاتا ہے تاکہ تم سمجھو۔

(۶) ایک طویل حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرد مومن کا یوں تذکرہ فرمایا: "پھر دجال ایک شخص کو جو شباب سے بھرا ہوگا اپنی طرف دعوت دے گا وہ اس کی دعوت کو رد کر دے گا۔ دجال غضبناک ہو کر اسے تلوار مارے گا اور اس جوان کے دو ٹکڑے ہو کر ایک دوسرے سے اتنی دور جا گریں گے کہ دونوں کے درمیان پھینکے گئے تیر کے برابر کا فاصلہ ہوگا۔ پھر دجال ان ٹکڑوں کو بلائے گا اور وہ جوان زندہ ہو کر اٹھ کھڑا ہوگا۔ ...." (صحیح مسلم)

ان دلائل سے واضح طور پر تین زندگیوں اور تین موتوں کا ثبوت ملتا ہے۔

(عکس المدینی الخالص دوسری قسط ص ۲۴۰، ۲۴۱)

آپ نے ملاحظہ کیا کہ قرآن میں بیان کردہ معجزاتی واقعات کو، جن کی حیثیت استثنائی ہے، جو عام قاعدہ و قانون سے ہٹ کر ہوتے ہیں

ان کو عام قاعدہ کلیہ ثابت کیا جا رہا ہے اور اس کے ذریعہ ایک قاعدہ کلیہ کو رد کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ اس کے برعکس قرآن نے دو زندگیوں اور دو موتوں کا ذکر بطور کلیہ یا قانون کیا جو ایک آفاقی حقیقت ہے۔ معجزہ ایک استثنائی امر ہوتا ہے اسی لیے اس کو خارق العادۃ یا خوارق الفطرت یعنی عام قاعدہ کے خلاف کہا جاتا ہے۔ بالفاظ دیگر معجزہ نہ تو قاعدہ کلیہ ہوتا ہے اور نہ کلیہ کو رد کرنے کے لیے بطور دلیل استعمال ہو سکتا ہے۔ استثنائی امور کے ذریعہ اللہ رب العزت اس حقیقت کا اثبات فرماتا ہے کہ وہ حکیم اور قادر مطلق خود اپنے بنائے ہوئے نظام فطرت اور کلیات کے آگے مجبور نہیں، وہ جب اور جہاں چاہے ان سے انحراف فرمائے کوئی بھی امر اس کے مانع نہیں ہو سکتا!

چنانچہ بعض مواقع پر اللہ تعالیٰ نے بطور خرق عادت یا معجزہ کے طور پر دنیا میں ہی موت دے کر پھر زندگی عطا فرمادی۔ لیکن مستثنیات کو بطور اصول و کلیہ پیش کرنا اور اس کے ذریعہ کلیہ کو رد کرنا تو خالص فریب کاری ہے جو ایک پیشہ ور اور یوم حساب سے بے خوف ہی کے شایان شان ہے اہم یہ بھی گمان نہیں کر سکتے کہ یہ فاضل علامہ صاحب کلیہ اور استثناء کا فرق ہی نہیں جانتے کیونکہ خود ہی اپنے ایک موقف کو ثابت کرنے کے لئے قانون و استثناء کے فرق کو بیان فرما رہے ہیں۔ ملاحظہ ہو ○ :۔

> ۔مگر واضح رہے کہ یہ استثنائی حالتیں ہیں قانون نہیں اور استدلال
> صرف عام قاعدے کیا جاتا ہے معجزہ یا استثنائی حالتیں دلیل نہیں بن سکتیں
> موصوف کو معلوم ہونا چاہیئے کہ کسی بات
> کا ثبوت عام قانون سے اخذ کیا جاتا ہے۔ استثناء کو قانون نہیں مانا جاتا جس طرح کہ
> معجزہ کو دلیل نہیں بنایا جاسکتا کیونکہ وہ عام قانون نہیں ہے۔

(عبارات الدین الخالص دوئم ص ۷ ۴۳، ۲۳۹)

اب ان کے اوپر تو وہی مثل صادق آتی ہے "لو آپ اپنے دام میں صیاد آگیا!" یعنی اپنے وار سے آپ خود ہی گھائل ہوگئے۔ یہ علامہ صاحب تو اس انداز فکر و عمل کے عادی ہی نہیں بلکہ ماہر فن ہیں۔ ایک جگہ ایک دلیل کو اپنے مقصد و موقف کی تائید میں استعمال کرتے ہیں تو دوسری جگہ اسی دلیل کو باطل قرار دیدیتے ہیں۔ ان کے اس انداز اور طرز عمل کا مختصر خاکہ "" انظر الی ذوالو جھہین "میں پیش کیا گیا تھا۔ قارئین چاہیں تو ایک نظر ڈال لیں۔ (حبل اللہ شمارہ ۱۳)

اس دنیاوی قبر میں دفن کے بعد مردہ جسم میں قیامت سے پہلے روح لوٹنے، مردہ کے زندہ ہونے، سننے اور سمجھنے اور احساس و شعور رکھنے کا یہ باطل عقیدہ شیعہ، بریلوی، دیوبندی اور اہل حدیث کے تمام ہی گروہوں کا متفقہ عقیدہ ہے جو سراسر قرآن و حدیث کے خلاف ہے۔ یوں تو اس باطل و گمراہ کن عقیدہ کی تائید و حمایت ہر فرقہ نے خوب ہی کی ہے مگر اپنے آپ کو اہل حدیث اور غیر مقلد کہنے والوں نے تو اس کی وکالت بڑی ہی شدومد سے کی ہے۔ اس باطل موقف کی دلیل میں ان کے پاس ان کے اکابرین، ابن تیمیہ، ابن کثیر وغیرہ کے اقوال اور ان کی ضخیم کتب ہیں۔ بوالعجبی تو یہ ہے کہ قرآن و حدیث سے دلیل لینے کی بجائے ان کی نام نہاد دینی خدمات کو سہارا بنایا جاتا ہے مگر جب کسی طرح بات نہیں بنتی تو پھر ان اکابرین کی ہی تقلید میں ضعیف، منکر و موضوع روایات کو بطور دلیل و حجت پیش کرنے لگتے

ہیں۔ قرآن اور بخاری و مسلم کی احادیث کے نصوص اور ناقابل رد دلائل کے مقابلہ میں اکابرین کے اقوال یا ضعیف، منکر و موضوع روایات پیش کرنا یقیناً "ایک سفیہانہ انداز ہے بلکہ جہل مرکب اور یہ خود اپنے گمراہ ہونے پر واضح شہادت ہے۔ اس سے تو نصوص قرآنی کا انکار اور احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب لازم آتی ہے۔

قرآن و حدیث ہی تو وہ کسوٹی ہے جس پر صحیح معنوں میں کھرے اور کھوٹے کو پرکھا جائے اور حق و باطل کا فیصلہ ہو۔ چنانچہ حیات و سماع فی القبر کے مشرکانہ عقائد قرآن و حدیث سے متصادم ہونے کے بناء پر قطعاً "قابل رد ہیں لیکن پھر بھی اس کی وکالت پر ہٹ دھرمی سے جمے رہنے والے کبھی کبھی اصولی اور معقول بات کو بھی رد کرنے پر کمربستہ ہو جاتے ہیں۔ اس کی کچھ مثالیں درج بالا سطور میں دی گئی ہیں۔ کچھ مزید ملاحظہ ہوں :-

قرآن کریم کے خلاف ڈاکٹر عثمانی نے امام احمد بن حنبلؒ وغیرہ کو اس لئے کافر قرار دیا ہے کہ (انہوں نے موصوف کے خیال کے مطابق) قرآن کریم کے خلاف آئی ہوئی احادیث کو تسلیم کیا ہے۔ آیئے دیکھتے ہیں کہ کہیں موصوف بھی یہ غلطی سرزد تو نہیں ہوئی اور وہ خود اپنے ہی فتوے کی رُو سے کافر تو نہیں ہو گئے چنانچہ ذیل میں ہم چند حقائق کا ذکر کرتے ہیں:

(۱) قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا ہے کہ ہر انسان کو دو موتیں اور دو زندگیاں عطا کی گئی ہیں اور اس کا ذکر موصوف نے بھی کیا ہے۔

مگر پھر موصوف اس "قاعدہ کلیہ" سے انحراف کرتے ہوئے حضرت قتادہؒ کے قول قلیب بدر والوں کے لئے تین زندگیوں اور تین موتوں کے قائل ہو گئے ہیں۔

(فوٹو عبارات الدین الخالص دوسری قسط ۳۴، ۳۵)

موصوف نے ان عبارات میں سماع و حیات فی القبر کے عقیدہ کو قرآن و حدیث کے خلاف قرار دینے کے بجائے صرف قرآن کے خلاف کہہ کر کس چابکدستی سے بات کا رخ دوسری طرف پھیرنے کی کوشش کی ہے۔ قرآن و حدیث کے خلاف تو ہر بات قابل رد ہے اور یہ ایسی مسلمہ حقیقت ہے کہ محتاج دلیل نہیں مگر پھر بھی موصوف کی پریشان خیالی کے پیش نظر شرح نخبۃ الفکر کی درج ذیل عبارت پیش خدمت ہے :-

ومنها ما یوجد من حال المروی کان یکون مناقضا لنص القرآن او السنۃ المتواترہ او الاجماع القطعی او صریح العقل حیث لا یقبل شئی من ذالک التاویل۔ (شرح نخبۃ الفکر ص ۱۲۱ ترجمہ و تعلیق محمد منظور الوجیدی)

"اور بعض (قرائن) ایسے ہیں کہ راوی کی حالت بتاتی ہے کہ حدیث موضوع ہے مثلاً وہ روایت نص قرآن یا سنت متواتر یا اجماع قطعی یا عقل صریح کے خلاف ہو اور وہ قابل تاویل نہ ہو۔

مذکورہ کتاب (الدین الخالص) کی محولہ بالا عبارت میں ایک بات یہ بھی کہی گئی ہے کہ قلیب بدر کے واقعہ کو تسلیم کرنے سے بالخصوص

قتادہ کے قول کے روشنی میں "قرآن کے پیش کردہ "دو موتوں اور دو زندگیوں" کے قاعدہ کلیہ سے انحراف ہوتا ہے اور تین موتوں اور تین زندگیوں کے موقف کو تسلیم کرنا پڑتا ہے۔ یہاں موصوف کا پھر وہی تجاہل عارفانہ کا انداز ہے یا لوگوں کو مغالطہ دینے کی کوشش۔ ڈاکٹر عثمانی نے تو "مزار میلے" میں صاف صاف لکھ دیا تھا۔

"معلوم ہوا کہ قتادہ کی رائے میں یہ سننا معجزہ کے طور پر تھا معمول نہیں" (مزار میلے ص ۲۰) قلیب بدر کا واقعہ محض معجزہ ہے اور معجزہ نہ تو قاعدہ کلیہ کا محتاج ہوتا ہے اور نہ کسی قاعدہ کلیہ یا نص صریح کو رد کرنے کے لیے بطور دلیل استعمال کیا جا سکتا ہے۔ معجزات رب ذوالجلال کی قدرت کاملہ کی نشانیاں ہوتے ہیں' انکو کسی قاعدہ کلیہ اور قانون فطرت کے تناظر میں دیکھنا اور اس کے لیے دلیل کے طور پر استعمال کرنا جہل مرکب ہے۔

صحیح حدیث میں بیان کردہ اس معجزہ کو خلاف قرآن قرار دینا منکرین حدیث والا انداز ہے۔ فی الحقیقت یہ قلیب بدر کا واقعہ تو عین قرآن کے مطابق ہے۔ قرآن میں اور بھی معجزاتی واقعات موسیٰ علیہ السلام کی نسبت سے بیان کئے گئے ہیں جو قواعد کلیہ سے ماوراء ہیں' مثلاً موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں ایک گائے کے گوشت کے ٹکڑے کو ایک مردہ سے مار کر اسکو (باذن اللہ) زندہ کیا گیا' یا عیسیٰ علیہ السلام نے مردوں کو باذن اللہ زندہ کیا' تو کیا موصوف ان معجزاتی واقعات کو قاعدہ کلیہ کے خلاف سمجھتے ہوئے' خلاف قرآن قرار دینے کی جسارت کریں گے؟

موصوف کی مزید تشفی کے لیے ان کے ممدوح شیخ علامہ ناصرالدین البانی کے اقتباسات بھی پیش خدمت ہیں:

حتى قام على شفة الرَّكيّ ، فجعل يناديهم بأسمائهم وأسماء آبائهم : يا فلان ابن فلان ، : ويا فلان ابن فلان ! أيسرُّكم أنكم أطعتم الله ورسوله ، فإنا قد وجدنا ما وعدنا ربنا حقاً ، فهل وجدتم ما وعدكم ربكم حقاً ؟ قال : فقال عمر : يارسول الله ! ما تُكلم من أجساد لا أرواح فيها ؟ فقال رسول الله ﷺ : « والذي نفسُ محمد بيده ما أنتم بأسمع لما أقول منهم » . قال قتادة : أحياهم الله حتى أسمعهم قوله توبيخاً ، وتصغيراً ، ونقمة ، وحسرة ، ونَدَماً .

أخرجه الشيخان وغيرهما ، وقد خرجته في التعليق الآتي (ص ٦) من الكتاب .

ووجه الاستدلال بهذا الحديث يتضح بملاحظة أمرين :

الأول : ما في الرواية الأولى منه من تقييده ﷺ سماع موتى القليب بقوله : « الآن » ، فإن مفهومه أنهم لايسمعون في غير هذا الوقت . وهو المطلوب . وهذه فائدة هامة نبَّه عليها العلامة الألوسي - والد المؤلف - رحمها

بإسماع الله تعالى إياهم خرقاً للعادة ومعجزة للنبي ﷺ كما سيأتي في الكتاب (ص ١٠ ، ١٥) عن بعض العلماء الحنفية ، وغيرهم من المحدثين . وفي تفسير القرطبي (٣٣٢/١٣) :

« قال ابن عطية :[١] فيشبه أن قصة بدر خرق عادة لمحمد ﷺ في أن ردَّ الله إليهم إدراكاً سمعوا به مقاله ، ولولا إخبار رسول الله ﷺ بسماعهم لحملنا نداءه إياهم على معنى التوبيخ لمن بقي من الكفرة ، وعلى معنى شفاء صدور المؤمنين » .

قلت : ولذلك أورده الخطيب التبريزي في « باب المعجزات » من « المشكاة » (ج ٣ رقم ٥٩٣٨ - بتخريجي) .

والأمر الآخر : أن النبي ﷺ أقر عمر وغيره من الصحابة على ما كان مستقراً في نفوسهم واعتقادهم أن الموتى لا يسمعون ، بعضهم أومأ إلى ذلك إيماءً ، وبعضهم ذكر ذلك صراحة ، لكن الأمر بحاجة إلى توضيح فأقول :

---

[۱] ملاحظہ ہو الدین الخالص دوسری قسط صہ ۸۳ اور الطریقۃ المحمدیۃ صہ ۱۸۹

الله في كتابه « روح المعاني » (٦/٤٥٥) ، ففيه تنبيه قوي على أن الأصل في الموتى أنهم لايسمعون ، ولكن أهل القليب في ذلك الوقت قد سمعوا نداء النبي ﷺ

أما الإيماء فهو في مبادرة الصحابة لما سمعوا نداءه ﷺ لموتى القليب بقولهم : « ما تُكَلِّم أجساداً لا أرواح فيها » ، فإن في رواية أخرى عن أنس نحوه بلفظ «قالوا» بدل : « قال عمر » كما سيأتي في الكتاب (ص ٣٠ـ ٣٢) ، فلولا أنهم كانوا على علم بذلك سابق تلقوه منه ﷺ ، ما كان لهم أن يبادروه بذلك . وهب أنهم تسرعوا ، وأنكروا بغير علم سابق ، فواجب التبليغ حينئذ يوجب على النبي ﷺ أن يبين لهم أن اعتقادهم هذا خطأ ، وأنه لا أصل له في الشرع ، ولم نر في شيء من روايات الحديث مثل هذا البيان ، وغاية ما قال لهم : « ما أنتم بأسمع لما أقول منهم » . وهذا كما ترى - ليس فيه تأسيس قاعدة عامة بالنسبة للموتى جميعاً تخالف اعتقادهم السابق ، وإنما هو إخبار عن أهل القليب خاصة ، على أنه ليس ذلك على إطلاقه بالنسبة إليهم أيضاً إذا تذكرت رواية ابن عمر التي فيها « إنهم الآن يسمعون » كما تقدم شرحه ، فسماعهم إذن خاص بذلك الوقت ، وبما قال لهم النبي ﷺ فقط ، فهي واقعة عين لاعموم لها ، فلا تدل على أنهم يسمعون دائماً أبداً »

(عکسِ عبارت مقدمہ الآیات البینات ناصر الدین البانی ص ۳۸-۴۰)

ترجمہ : اس حدیث سے وجہ استدلال کے دو سبب واضح ہوتے ہیں:

اول : پہلی روایت میں جو کچھ ہے وہ مقید ہے قلیب بدر کے سماع موتی کے ہی لیے' نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قول "الان یعنی اس وقت" کے سبب سے جس کا مفہوم یہ ہے کہ وہ اس وقت کے علاوہ کسی اور وقت نہیں سنتے اور یہی مطلوب ہے' اور یہی خاص فائدہ ہے جس سے آگاہ کیا ہے علامہ آلوسی' مولف کے والد نے اپنی کتاب روح المعانی میں (۶/ ۳۵۵)۔ پس اس میں قوی تنبیہ ہے اس اصول کی کہ مردے نہیں سنتے لیکن اہل قلیب نے اس وقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نداء کو سن لیا تھا' جسکو اللہ تعالیٰ نے خرق عادت کے طور پر ان کو سنا دیا' نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزہ کے طور پر جیسا کہ کتاب میں بیان کیا جائے گا (ص ۱۰'۱۵)۔ بعض حنفی علماء اور دوسرے محدثین کے حوالے سے اور قرطبی کی تفسیر میں ہے (۳/ ۲۳۲)۔

"ابن عطیہ نے کہا کہ اس سے شبہ ہوتا ہے کہ قصہ بدر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا خرق عادت (واقعہ) ہے۔ اس معاملہ میں کہ اللہ

(۱) هو عبد الحق بن غالب بن عطية المحاربي الغرناطي ، مفسر ، فقيه ، أندلسي ، عارف بالأحكام والحديث . توفي سنة (٥٤٢) ، له « المحرر الوجيز في تفسير الكتاب العزيز » طبع منه جزءان في المغرب .

تعالیٰ نے ان میں ادراک واپس لوٹا دیا جس سے انہوں نے نبی علیہ السلام کی بات سنی۔ اور اگر ان کے سننے کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خبریں (احادیث) نہ ہوتیں تو ہم ان (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کے ان کو پکارنے کو اس پر محمول کرتے کہ باقی ماندہ کفار کی تنبیہ و توبیخ کے لیے ہے اور مومنوں کے قلوب کی صفائی کیلئے۔

میں (ناصر الدین البانی) کہتا ہوں: اور اسی لیے الخطیب التبریزی اسکو لائے ہیں المشکاۃ کے باب المعجزات میں (ج ۳ رقم ۵۹۳۸)

دوئم: یہ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ میں سے عمرؓ وغیرہ کے عقیدہ اور جو کچھ ان کے قلب و ذہن میں تھا' اسکو برقرار رکھا یعنی یہ کہ مردے نہیں سنتے۔ بعض نے صرف اشارۃً اور بعض نے صراحتاً اس کا ذکر کیا ہے لیکن یہ امر وضاحت طلب ہے' چنانچہ میں کہتا ہوں: اشارہ تو صحابہؓ کے اس قول مسابقت میں ہے کہ جب انہوں نے قلیب کے مردوں کے لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نداء سنی تو کہا "آپ کلام کرتے ہیں ان جسموں سے جن میں ارواح نہیں؟"۔

دوسری روایت میں جو انسؓ سے ہے تقریباً یہی کچھ ہے' ان الفاظ کے فرق کے ساتھ "قال عمر (عمر نے کہا)" کے بجائے "قالوا (انہوں نے کہا)" جیسا کہ کتاب میں آئے گا (ص ۳۰۔۳۳) پس اگر ان کو پہلے سے اس کا علم نہ ہوتا تو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے منکر اسکو قبول کر لیتے' پھر وہ اس پر سبقت نہ کرتے۔ بفرض محال انہوں نے تیزی کی اور بغیر سابقہ علم کے (مردوں کے سننے کا) انکار کیا' تو اس وقت نبی علیہ السلام پر اس بات کی تبلیغ واجب تھی کہ ان کو واضح کرتے کہ ان کا یہ اعتقاد غلط ہے' اور یہ کہ شرع میں اس کی کوئی بنیاد نہیں' اور حدیث کی روایات میں ہمیں اسطرح وضاحت کی کوئی چیز نہیں ملتی۔ اور نبی علیہ السلام نے یہ جو ان سے کہا "تم ان سے زیادہ سننے والے نہیں اس بات کے جو میں ان سے کہہ رہا ہوں" اور اسکی غایت یہی ہے جو تم دیکھ رہے ہو۔ اس میں عام قاعدہ کلیہ تمام مردوں کے بارے میں نہیں ہے جو ان (صحابہؓ) کے سابقہ عقیدہ کے خلاف ہو۔ یہ واقعہ قلیب بدر کے لیے خاص ہے اور ان کے لیے بھی علی الاطلاق نہیں جیسا کہ روایت میں بھی مذکور ہے کہ "وہ اس وقت سن رہے ہیں" اور اسکی پہلے تشریح کر دی گئی ہے۔ چنانچہ ان کو یہ سنانا بھی اسی وقت کے لیے خاص ہے اور صرف اسی (مخصوص) بات کے لیے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہی۔ یہ واقعہ عین اسی وقت کے لیے ہے' اسکو عموم نہیں اور اس بات کی طرف دلالت بھی نہیں کرتا کہ وہ ہمیشہ ہمیشہ سنتے رہیں گے۔"

مزید ملاحظہ ہو:۔

"وان ذالک امر خاص مستثنیٰ من الایۃ معجزۃ لہ صلی اللہ علیہ وسلم کما سبق"

"اور یہ امر خاص ہے جو (عدم سماع موتیٰ والی) آیات سے مستثنیٰ ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ ہے۔

(عکس مقدمہ الآیات البینات ص۲۲)

اب اسکے بعد تو موصوف کے لیے الفاظ کے الٹ پھیر اور باطل تاویل کی گنجائش باقی نہیں رہتی۔ لیکن قرآن و حدیث کو تجاہل عارفانہ کے ساتھ مغالطہ آرائی کے مقصد کے تحت استعمال کرنے کے فن پر ان کا مکمل بھروسہ ہے اور پورے اعتماد سے وہ یہ حربہ استعمال

کرتے ہیں۔ چنانچہ اپنی کتاب میں عذاب برزخ ص ۱۴۳ پر پیش کی گئی بعض احادیث کے تعلق سے مغالطہ آرائی کی رنگ آمیزی کے ذریعہ یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ ڈاکٹر عثمانیؒ نے قرآن کے خلاف احادیث پر اپنے مسئلہ کی بنیاد رکھنے کی کوشش کی ہے گویا کہ ڈاکٹر صاحب مرحوم نص صریح کے خلاف موقف اختیار کرنے کے مرتکب ہوئے ہیں (معاذ اللہ) کیسا جھوٹ ہے یہ اور کس طرح دھاندلی سے کام لیا گیا ہے ملاحظہ ہو موصوف کی سفیہانہ کرشمہ کاری:

(۲) قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا ہے کہ اس نے (بدر، احد، احزاب وغیرہ کے موقعوں پر) مسلمین کی مدد کے لئے آسمان سے فرشتوں کے لشکر اتارے تھے جو کسی کو دکھائی نہ دیئے۔ چنانچہ ایک مقام پر ارشاد ہے وَاَنْزَلَ جُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا یعنی اور اللہ تعالیٰ نے وہ لشکر (تمہاری مدد کے لئے) اتارے جو تم کو نظر نہ آتے تھے۔ (التوبہ: ۲۶) اب قرآن کریم نے یہ "قاعدہ کلیہ" بیان کر دیا کہ وہ لشکر کسی کو دکھائی نہ دیئے مگر اس کے خلاف موصوف نقل کرتے ہیں:

فرشتوں کا آلاتِ جنگ پہننا

حدثني ابراهيم بن موسى قال اخبرنا عبد الوهاب حدثنا خالد عن عكرمة عن ابن عباس ان النبي صلى الله عليه وسلم قال يوم بدر هذا جبريل آخذ برأس فرسه عليه اداة الحرب (بخاری جلد ۲ عربی ص ۵۷۰)

ترجمہ: ابن عباسؓ روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بدر کے دن ارشاد فرمایا کہ یہ ہیں جبریل اپنے گھوڑے کے سر کو پکڑے ہوئے اور ان کے اوپر جنگ کے ہتھیار ہیں۔ (بخاری جلد ۲ عربی ص ۵۷۰ طبع دہلی)

باب مرجع النبي صلى الله عليه وسلم من الاحزاب

ومخرجه الى بني قريظة ومحاصرته اياهم حدثني عبد الله بن ابي شيبة قال حدثنا ابن نمير عن هشام عن ابيه عن عائشة قالت لما رجع النبي صلى الله عليه وسلم من الخندق ووضع السلاح واغتسل اتاه جبريل فقال قد وضعت السلاح والله ما وضعناه فاخرج اليهم قال فالى اين قال ههنا واشار الى بني قريظة فخرج النبي صلى الله عليه وسلم اليهم

(نوٹ: بخاری جلد ۲ عربی ص ۵۹۰)

ترجمہ: عائشہؓ روایت فرماتی ہیں کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم خندق کے محاذ جنگ سے واپس آئے اور ہتھیار اتار کر غسل فرمایا تو جبریل علیہ السلام ان کے پاس آئے اور کہا کہ آپ نے تو ہتھیار اتار دیئے لیکن ہم لوگوں نے ابھی تک نہیں اتارے۔ ان کی طرف (جنگ) کے لئے نکلئے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کس طرف جبریلؑ نے کہا کہ اس طرف اور بنو قریظہ کی طرف اشارہ کر دیا۔ پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کی طرف جنگ کے لئے چلے گئے۔

(بخاری جلد ۲ عربی ص ۵۹۰)

فرشتے جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ کسی کو نظر آئے تب ہتھیاروں سے مسلح تھے اور جب جنگ احد میں سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے دیکھے تو ان کے بدن پر سفید کپڑے تھے۔ بخاری کی حدیث ہے:

حدثنا عبد العزيز بن عبد الله قال حدثنا

ابراهيم بن سعد عن ابيه عن جده عن سعد بن ابي وقاص قال رأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم يوم احد ومعه رجلان يقاتلان عنه عليهما ثياب بيض كأشد القتال ما رأيتهما قبل ولا بعد

(فوٹو، بخاری جلد ۲ عربی صـ ۵۸۰)

ترجمہ: سعد بن ابی وقاصؓ روایت کرتے ہیں کہ میں نے اُحد کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دو شخصوں کو دیکھا جو آپ کے دفاع میں جنگ کر رہے تھے ان دونوں کے اوپر سفید کپڑے تھے اور وہ شدید جنگ کر رہے تھے۔ میں نے ان کو نہ اس سے پہلے کبھی دیکھا تھا اور نہ اس کے بعد دیکھا اور جبریل علیہ الصلوٰۃ مسلم کی حدیث میں اس بیان کے بعد ان کے نام جبرئیل اور میکائیل علیہما الصلوٰۃ والسلام بھی آئے

عکس عبارت الدین الخالص دوسری قسط صـ ۱۴۶

ہیں۔

(مسلم عربی جلد ۲ صـ ۲۵۲)

بخاری و مسلم کے علاوہ دوسری روایتوں میں تو یہاں تک کہا گیا ہے کہ بدر و حنین میں ان کے سروں پر رنگین عمامے تھے کپڑے، ہتھیار، عمامے تو فرشتے پہن سکتے ہیں مگر جوتے نہیں پہن سکتے۔ برزخ میں انسانوں کے پاس آئیں تو لازم ہے کہ ننگے بدن ننگے سر اور ننگے پیر آئیں ورنہ اپنے استدلال کے بارے میں ان کی بحث بے تمکین کا منہ داخل ہو جائے گا۔

(عکس عذاب قبر صـ ۱۴۰، ۱۳)

موصوف نے یہاں بھی قرآن کریم کے "قاعدہ کلیہ" سے انحراف کیا ہے اور قرآن کریم کے واضح فرمان کے خلاف انہوں نے ان احادیث پر اپنے مسئلہ کی بنیاد رکھی ہے۔

(فوٹو الدین الخالص صہ ۱۳۵ تا ۱۳۷)

معلوم ہوتا ہے کہ جوش مخالفت میں ہوش و حواس سے بھی ہاتھ دھو بیٹھے ہیں۔ ذاتی مخالفت اور ضد میں حق سے تجاوز کر کے احادیث صحیحہ کو بھی خلاف قرآن قرار دیدیا۔ ذرا سورہ توبہ کی مذکورہ آیت کا بغور مطالعہ کر لیا جائے تاکہ معاملہ فہمی میں آسانی ہو:

لقد نصر كم الله في مواطن كثيرة و يوم حنين اذا عجبتكم كثرتكم فلم تغن عنكم شيا وضاقت عليكم الارض بما رحبت ثم وليتم مدبرين ○ ثم انزل الله سكينته على رسوله و على المومنين وانزل جنودا لم تروها و عذب الذين كفروا وذالك جزاء الكفرين ○ (التوبہ: ۲۵، ۲۶)

"اللہ نے بہت سے موقعوں پر تمہاری مدد فرمائی ہے اور حنین کے دن جبکہ تم کو اپنی کثرت پر ناز تھا تو وہ تمہارے کسی کام نہ آئی اور زمین باوجود فراخی کے تم پر تنگ ہو گئی۔ پھر تم پیٹھ پھیر کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ پھر اللہ نے اپنے رسول اور مومنوں پر اپنی طرف سے سکینت نازل فرمائی اور (تمہاری مدد کے لیے فرشتوں کے) لشکر نازل فرمائے جو تمہیں نظر نہیں آتے تھے۔ اور کافروں کو عذاب دیا اور کفر کرنے والوں کی یہی سزا ہے۔

ان آیات میں بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مختلف غزوات میں کثیر مواقع پر مسلمانوں کی مدد فرمائی اور خصوصاً غزوہ حنین کے موقع پر لشکر بھیج کر مدد فرمائی۔ یوں تو فرشتوں نے مختلف غزوات میں مومنوں کے ساتھ شریک ہو کر جنگ کی ہے لیکن "وانزل جنودا لم

تروھا" کے الفاظ تو غزوہ حنین ہی سے متعلق ہیں۔ قرآن کے بیان کردہ الفاظ اور احادیث کے تقابل سے پہلے ذرا لفظ "جنود" کو سمجھ لیا جائے۔ یہ جند کی جمع ہے اور اس کے معنی "لشکر" کے ہیں۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب احادیث مذکورہ میں کہیں بھی یہ نہیں کہا گیا کہ صحابہؓ نے لشکروں کو دیکھا تو پھر حدیث کا قرآن سے تصادم کس طرح ہو گیا؟ اور ڈاکٹر عثمانی کا کونسا موقف اس قاعدہ کلیہ کے خلاف ہو گیا جو قرآن میں بیان کیا گیا ہے۔ یہ تو بغیر رائی کے پہاڑ بنانے کی مترادف ہے۔ احادیث میں صحابہؓ کے فرشتوں کو دیکھنے کا جہاں کہیں ذکر ہے وہ انسانی شکل میں ہی ہے نہ کہ ان کی اصلی شکل میں۔ حدیث جبرئیل میں جبرائیل علیہ السلام کے آنے کا تذکرہ انسانی شکل میں ہے' غزوہ بدر و احد میں فرشتوں کی موجودگی بھی انسانی شکل میں ہے' لیکن کسی بھی موقعہ پر صحابہؓ نے از خود ان کو نہ پہچانا بلکہ ہر موقعہ پر نبی علیہ السلام نے ہی وضاحت فرمائی کہ "یہ جبرائیل ہیں' یہ میکائیل ہیں" وغیرہ۔ اسطرح یہ بات واضح ہو گئی کہ احادیث "وانزل جنودالم تروھا" سے ذرا بھی متصادم نہیں۔

درج بالا سطور کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اس نعمت کے مخالفین حق اپنے باطل موقف اور اکابرین کے دفاع میں کوئی بنیاد نہ ہوتے ہوئے بھی عوام کو ورغلانے کے لیے کیسے کیسے حربے استعمال کرتے ہیں۔ کاش یہ اس مہلت عمل کو سعی لا حاصل میں گنوا دینے کے بجائے توبہ کر کے رجوع الی اللہ کا رویہ اختیار کریں اور ان لوگوں میں شامل نہ ہوں جن کے لیے فرمایا گیا:

○.... انما نملی لھم لیزدادوا اثما ولھم عذاب مھین (آل عمران: ۱۷۸)

"ہم تو انہیں محض اسی لیے ڈھیل دے رہے ہیں کہ یہ خوب بار گناہ سمیٹ لیں"

بقیہ :۔ اسلام اور جمہوریت کا تضاد

○.... ثم جعلنک علی شریعة من الامر فاتبعھا ولا تتبع اھوآء الذین لا یعلمون ○ انھم لن یغنوا عنک من اللہ شیئا وان الظلمین بعضھم اولیاء بعض واللہ ولی المتقین ○ ھذا بصائر للناس وھدی ورحمة لقوم یوقنون ○ (الجاثیة : ۱۸-۲۰)

"(اے نبی) پھر ہم نے تم کو دین کے کھلے رستے (شریعت) پر (قائم) کر دیا لہٰذا تم اسی پر چلو اور نادانوں کی خواہشات کی پیروی نہ کرو۔ یہ اللہ کے مقابلے میں تمہارے کسی کام نہیں آئیں گے اور حقیقت یہ ہے کہ ظالم لوگ ایک دوسرے کے دوست ہوتے ہیں جبکہ اللہ پرہیزگاروں کا دوست ہے۔ یہ (قرآن) لوگوں کے لیے دانائی کی باتیں ہیں اور ہدایت و رحمت ہے ان لوگوں کے لیے جو یقین رکھتے ہیں۔"

---

[1] غزوہ بدر میں شیطان فرشتوں کو دیکھ کر راہ فرار اختیار کرتا ہے اور کہتا ہے "انی اری مالا ترون" (یعنی میں وہ کچھ دیکھ رہا ہوں جو تم نہیں دیکھ رہے ہو)۔ (سورۃ انفال : ۴۸)

اُمِّ سُلیم رضی اللہ عنہا

اُمِّ جاوید

"یوں تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین آسمان کے ستاروں کی مانند ہیں' لیکن ان میں کچھ عظیم المرتبت شخصیات جذبہ ایمانی' خلوص' حب رسول' شوق شہادت اور سراپا بندگی کے سبب تاریخ اسلام میں انتہائی نمایاں ہیں۔ ان صفحات میں ایسی ہی برگزیدہ شخصیات کی زندگی کا احاطہ قرآن وحدیث کی روشنی میں پیش کرنے کا سلسلہ شروع کر رہے ہیں۔" (ادارہ)

انبیاء علیہم السلام بنی نوع انسان کے لیے پیغام ہدایت لیکر آتے ہیں' وہ انسانوں کی اصلاح' ان کی اخروی فلاح اور دنیا و آخرت میں عزت و سرفرازی کا ذریعہ ہوتے ہیں۔ لیکن انسان کی بڑی بدنصیبی ہے کہ بجائے اس کے کہ اپنے بہی خواہ کو پہچانیں اور اس کی انقلابی دعوت سے فائدہ اٹھائیں' وہ نبیؑ کے مخالف بن جاتے ہیں اور نہ صرف داعی بلکہ اس کے ماننے والوں کی جانوں کے بھی دشمن ہو جاتے ہیں۔ اس طرح حق و باطل کی معرکہ آرائی شروع ہو جاتی ہے اور نتیجۃً حق کا ساتھ دینے والوں کے لیے ان کے اپنے وطن کا ماحول ناسازگار اور اجنبی بن جاتا ہے' شدید ایذاؤں اور آزمائشوں کے بعد نوبت یہاں تک پہنچ جاتی ہے کہ وہ گھروں سے بے گھر کردیے جاتے ہیں' اور ان کے ہم وطن انہیں مہاجرت پر مجبور کردیتے ہیں۔ لیکن یہ صبر و وفا کے پیکر دوسری زمین کو دارالاسلام بنا کر خوشی اور اطمینان قلب کے ساتھ سکونت پذیر ہو جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے ان وفا شعاروں کے بارے میں فرماتے ہیں:

ان الذین آمنوا والذین ھاجروا و جاھدوا فی سبیل اللہ اولٰئک یرجون رحمۃ اللہ

۔(البقرۃ : ۲۱۸)

"اور وہ لوگ جو ایمان لائے اور جنہوں نے ہجرت کی' اور اللہ کی راہ میں جہاد کیا' وہی (حقیقی معنوں میں) اللہ کی رحمت کے آرزومند ہیں۔"

دارالاسلام میں پہلے سے رہائش پذیر مخلص مومن ان بے سہارا مہاجروں کے ممد و معاون بن جاتے ہیں اور یہ انصار (یعنی مددگار) قرار دیے جاتے ہیں۔ نہ تو یہ مہاجر غرض کے بندے ہوتے ہیں کہ زر و زن کے لیے ہجرت کریں اور نہ ہی انصار احساس برتری کا شکار ہوتے ہیں

کہ مہاجر بھائیوں کو غاصب اور کمتر قرار دے کر تحقیر کا نشانہ بنائیں۔ یہ تو ایک دوسرے سے محبت کرنے والے' پہلے ایمان لانے والوں کے لیے دعائیں کرنے والے اور ان کے ساتھ احسان کی روش اختیار کرنے والے ہوتے ہیں۔ قرآن اس تعلق کا نقشہ پیش کرتا ہے :

○ والذین تبوؤ الدار والایمان من قبلھم یحبون من ھاجر الیھم ولا یجدون فی صدورھم حاجۃ مما اوتوا ویؤثرون علی انفسھم ولو کان بھم خصاصۃ ومن یوق شح نفسہ فاولئک ھم المفلحون ○ والذین جاءو من بعدھم یقولون ربنا اغفر لنا ولاخواننا الذین سبقونا بالایمان ولا تجعل فی قلوبنا غلا للذین امنوا ربنا انک رءوف رحیم ○ (الحشر : ۹'۱۰)

اور وہ جو ان مہاجرین کی آمد سے پہلے ہی ایمان لا کر دارالہجرت میں مقیم تھے' یہ ان لوگوں سے محبت کرتے ہیں جو ہجرت کر کے ان کے پاس آئے ہیں اور جو کچھ بھی ان کو دیدیا جائے اس کی کوئی حاجت تک اپنے دلوں میں محسوس نہیں کرتے اور اپنی ذات پر دوسروں کو ترجیح دیتے ہیں خواہ اپنی جگہ خود محتاج ہوں۔ اور جو اپنے دل کی تنگی سے بچا لیا گیا تو ایسے ہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔ اور وہ جو ان کے بعد آئے ہیں' کہتے ہیں کہ "اے ہمارے رب' ہمیں اور ہمارے ان بھائیوں کو بخش دے جو ہم سے پہلے ایمان لائے ہیں' اور ہمارے دلوں میں ان اہل ایمان کے لیے کوئی بغض نہ رکھ' اے ہمارے رب' تو بڑا مہربان اور رحیم ہے۔

اس مقدس دعوت کے اٹھنے کے بعد اس کو قبول کر کے اس کا ساتھ دینے والے' اللہ کی رضا کے سچے طلبگار رہا تو سچے مہاجر بن کر یا سچے معنوں میں انصار بن کر اس مشن کے تقاضے پورے کر کے جنت کی لازوال نعمتوں کی قیمت ادا کرتے ہیں۔ بلاشبہ نبی علیہ السلام کے صحابہ رضی اللہ عنھم اجمعین نے اس "ہجرت و نصرت" کا کامل نمونہ پیش کر کے ایک عظیم الشان تاریخ مرتب کر دکھائی ہے۔ اس تاریخ ساز انقلابی قوم میں نمایاں مقام رکھنے والی شخصیات میں ایک انتہائی محترم اور برگزیدہ خاتون ام سلیم بنت ملحان رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہیں' جن کے ایمان و تقویٰ' جرات و ہمت اور سرفروشی کا انداز اور صبر و استقلال کے اوصاف تمام مسلم خواتین کے لیے قابل فخر اور ولولہ انگیز نمونہ ہیں۔

آپ کا نام رمیصاء یا غمیصاء ہے (سہلہ بھی کہا گیا ہے) اور آپ کا تعلق انصار کے قبیلہ خزرج کی شاخ بنو النجار سے ہے (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قبیلہ کی خصوصی فضیلت بیان فرمائی ہے)۔ آپ خادم رسول' انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی والدہ ہیں۔ رمیصاء کے دل میں نعمت اسلام کی کیسی قدر و منزلت اور اہمیت تھی اسکا اندازہ درج ذیل واقعہ سے لگایا جا سکتا ہے۔ ام سلیمؓ کے ایمان لانے کے تھوڑے عرصہ بعد ہی ان کے شوہر مالک بن النضر (ابو انس بن مالک) کو حالت کفر میں ہی قتل کر دیا گیا تھا۔ کچھ عرصہ بعد ابو طلحہ انصاری نے ام سلیمؓ کو پیغام نکاح دیا تو انہوں نے انکار کر دیا۔ نسائی کی ایک روایت میں اس واقعہ کی تفصیل آئی ہے۔ اس کے مطابق ابو طلحہ کے پیغام نکاح پر ام سلیمؓ نے جواب دیا :

"اللہ کی قسم تم جیسا تو کوئی نہیں جس کا پیغام نکاح رد کر دیا جائے، لیکن تم تو کافر ہو اور میں مسلم خاتون ہوں، اور میرے لیے یہ جائز نہیں کہ میں تم سے نکاح کروں۔ البتہ اگر تم ایمان لے آؤ تو (میں نکاح کرلوں گی اور) یہی میرا مہر ہو گا، میں تم سے کچھ اور طلب نہ کروں گی۔"

پھر ابو طلحہؓ نے اسلام قبول کیا اور نکاح کر لیا اور یہی ان کا مہر ہوا۔ ثابتؓ جو اس حدیث کے راوی ہیں کہتے ہیں "میں نے ام سلیمؓ کے اسلام (والے مہر) سے زیادہ مکرم (قدر و قیمت والا) تو کسی خاتون کا مہر نہیں سنا۔"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ام سلیمؓ کو والہانہ محبت و عقیدت تھی اور آپ بھی ان کا بہت احترام فرماتے تھے اور کبھی کبھی ان کے گھر تشریف لے جاتے تھے۔ چنانچہ ایک دن آپ ان کے یہاں آئے تو وہ آپ کے لیے کھجوریں اور گھی لے کر آئیں۔ نبی علیہ السلام نے فرمایا "گھی مشکیزے میں ڈال دو اور کھجور برتن میں رکھ دو، میں صائم ہوں۔" پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے گھر کے ایک کونے میں کھڑے ہو کر صلوٰۃ ادا کی اور ام سلیمؓ اور ان کے گھر والوں کے لیے دعا کی۔ ام سلیمؓ نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسولؐ آپ نے میرے لیے دعا کی! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "تمہارا کیا مطلب ہے؟" انہوں نے عرض کیا کہ اپنے خادم انسؓ کے لیے بھی دعا فرمایئے! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لیے بھی دعا فرمائی (بخاری)۔

ام سلیمؓ کی زندگی ایسے واقعات سے بھری ہوئی ہے۔ وہ صبر و عزم میں اپنی مثال آپ ہی تھیں۔ ان کا چھوٹا بیٹا (انسؓ بن مالک کا سوتیلا بھائی) فوت ہو گیا۔ رات کو جب آپ کے شوہر ابو طلحہؓ آئے تو انہوں نے ان کو کھانا کھلایا پھر حسب معمول بناؤ سنگھار کر کے ان کے ساتھ شب بسر کی، پھر ان سے کہا "ابو طلحہؓ! اگر لوگ کسی کے گھر سے کوئی چیز عاریتاً لیں پھر وہ اپنی چیز مانگیں تو کیا عاریتاً لینے والے وہ چیز روک سکتے ہیں۔" ابو طلحہؓ نے کہا "نہیں"۔ ام سلیمؓ کہنے لگیں "تو پھر میں تمہیں تمہارے بیٹے کی موت کی خبر دیتی ہوں۔ اللہ نے عاریتاً دیا تھا، اس کی چیز تھی اس نے واپس لے لی۔" یہ سن کر ابو طلحہؓ خفا ہوئے اور کہا کہ تم نے مجھے پہلے کیوں نہ بتایا۔" پھر ابو طلحہؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور تمام واقعہ سنایا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "شاید اللہ تعالیٰ تمہیں تمہاری گذری ہوئی رات میں برکت عطا فرمائے۔" ام سلیمؓ حاملہ ہو گئیں۔ چند ماہ بعد اللہ کے رسولؐ کسی سفر پر روانہ ہوئے، ابو طلحہؓ اور ام سلیمؓ بھی ساتھ تھیں واپسی میں رات کے وقت مدینہ کے قریب درد زہ شروع ہوا لیکن کچھ دیر کے بعد رک گیا۔ مدینہ پہنچنے کے بعد ان کے یہاں بیٹا پیدا ہوا۔ انہوں نے فوراً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجا آپؐ نے اسے کھجور چبائی اور عبداللہ نام رکھا۔ (بخاری)۔ یہ واقعہ ام سلیمؓ کے صبر و توکل کا واضح ثبوت اور اپنی مثال ہے۔

یہ زہد و تقویٰ کی پیکر، اللہ اور اسکے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اور عقیدت کے جذبہ سے سرشار خاتون، انتہائی اولوالعزم اور نڈر مجاہدہ تھیں۔ میدان قتال میں بے باکانہ شرکت نے صحابیات رسولؐ میں انھیں ایک امتیازی مقام دیا ہے۔ ان کے بیٹے انسؓ روایت کرتے ہیں کہ "میں نے غزوہ احد میں عائشہؓ اور ام سلیمؓ کو کمربستہ دیکھا وہ اپنی پشت پر پانی سے بھرے ہوئے مشکیزے بار بار لاتیں اور زخمی مجاہدین کو پانی پلاتیں۔" (بخاری و مسلم)۔ غزوہ حنین میں بھی یہ اسلامی لشکر کے ساتھ تھیں اور ان کے پاس ایک خنجر تھا۔ ابو طلحہؓ نے

انھیں دیکھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا "اللہ کے رسولؐ یہ ام سلیمؓ بھی آگئیں۔" نبی علیہ السلام نے ان سے پوچھا "یہ خنجر کیسا ہے؟" انھوں نے جواب دیا "اگر کوئی مشرک میرے پاس آئے گا تو اس خنجر سے اس کا پیٹ چاک کر دوں گی۔" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ سن کر مسکرائے۔" (مسلم)۔

ام سلیمؓ کے شوہر ابو طلحہؓ زبردست تیر انداز تھے' وہ بہت طاقت سے کمان کھینچ کر تیر چلاتے تھے۔ غزوہ احد میں کئی کمانیں ان کے ہاتھ سے ٹوٹی تھیں۔ غزوہ احد کے موقعہ پر وہ ان چند صحابہؓ میں سے تھے جو نبی علیہ السلام کے گرد حلقہ بنائے ہوئے تھے اور تیروں کو اپنی ڈھالوں پر روکتے تھے۔ ان کی تیر اندازی سے نبی علیہ السلام اس قدر خوش تھے کہ کوئی مجاہد برابر سے گذرتا' نبی علیہ السلام اس سے تیر لیکر ابو طلحہؓ کو دیدیتے۔ ایسے ممتاز مجاہد اور تیر انداز کی بیوی ایک عظیم مجاہد و شہید حرام ابن ملحان کی بہن تھیں جن کا بئر معونہ کے شہید قراء میں نمایاں مقام ہے۔ اس کا واقعہ یہ ہے کہ عرب کے کچھ قبیلے جو ظاہرا طور پر اسلام لائے تھے ان میں سے کچھ کی درخواست پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ستر قاریوں کو دین کی تعلیم دینے اور ان کی محافظت کے خیال سے ان کے ساتھ کر دیا۔ لیکن ان ظالموں نے بد عہدی کی اور قراء کو شہید کر ڈالا۔ حرام بن ملحان رضی اللہ عنہ نے جب لوگوں کو اسلام کی تعلیم دینے کے لیے تقریر شروع کی تو ایک شقی القلب نے پیچھے سے پیٹھ میں تیر مارا۔ آپ نے چہرہ اور سر پر خون کو ملتے ہوئے فرمایا :

"اللہ اکبر' فزت ورب کعبہ"

یعنی اللہ اکبر' رب کعبہ کی قسم میں تو مراد کو پہنچ گیا!

ام سلیمؓ کی تالیف قلب کے لیے نبی علیہ السلام اکثر ان کے گھر تشریف لے جایا کرتے تھے۔ کسی نے آپ سے اس کی وجہ پوچھی تو آپ نے فرمایا "ان کا بھائی میری رفاقت میں شہید کیا گیا تھا لہٰذا میں ان کے ساتھ ہمدردی کرتا ہوں۔" (بخاری و مسلم)

ام سلیمؓ ایسے سرفروش مجاہد کی بہن ہیں۔ آپ کے لیے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ میں جنت میں داخل ہوا تو میں نے کسی کے چلنے کی آہٹ سنی' میں نے پوچھا کہ یہ کون ہیں' فرشتوں نے جواب دیا کہ رمیصاء بنت ملحان رضی اللہ عنہا' انسؓ کی والدہ ہیں (بخاری و مسلم)

تو یہ تھے رمیصاء' ام سلیم رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی زندگی کے چند واقعات جو بیک وقت خادم رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ' عظیم مجاہد و شہید کی بہن اور مشہور و مقرب صحابیؓ رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور نامور مجاہد و تیر انداز کی زوجہ ہونے کی شرف سے مشرف فرمائی گئی تھیں اور جن کے جنتی ہونے کی بشارت بھی زبان رسولؐ نے ان کو دیدی تھی۔ وہ خود بھی مجاہدانہ اوصاف کی حامل' صبر و وفا و توکل کی پیکر' اللہ اور رسولؐ کی اطاعت اور حب رسولؐ کے والہانہ جذبہ سے سرشار' آخرت کی کامیابی کی سچی طلبگار اور عزم و ہمت کی بلاشبہ ایک عظیم مثال ہیں اور ایمان و تقویٰ کا شعوری ذوق رکھنے والیوں اور آخرت کی کامیابی ہی کو اپنی منزل بنانے والیوں کے لیے مشعل راہ۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ رب ذوالجلال ہم سب کو اور ہماری نوخیز نسلوں کو اسلام کے لیے جوش اور پر خلوص جذبہ ایمانی سے نوازے اور پورے شعور وارادہ کے ساتھ ان شخصیات کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق فرمائے۔ آمین!

عالم دوبارہ نیست

ضرار لطیف بٹ

زین للناس حب الشہوات من النساء و البنین و القناطیر المقنطرۃ من الذھب والفضۃ والخیل المسومۃ والانعام والحرث ؕ ذالک متاع الحیوٰۃ الدنیا واللہ عندہ حسن الماب ○ (آل عمران : ۱۴)

"لوگوں کے لیے خوشنما بنا دی گئیں ہیں مرغوبات نفس (یعنی) عورتیں' اولاد' سونے اور چاندی کے بڑے بڑے ڈھیر' نشان زدہ (چیدہ چیدہ) گھوڑے' مویشی اور زرعی زمینیں۔ (مگر) یہ سب دنیا کی (چند روزہ) زندگی کے سامان ہیں' (حقیقت میں) بہتر ٹھکانہ تو اللہ ہی کے پاس ہے۔"

قرآن کریم کی یہ آیت دنیا کی حقیقت و حیثیت کو بخوبی واضح کر دیتی ہے' اس کے باوجود آج کا یہ انسان بالخصوص امت مسلمہ کا کلمہ گو' اس دور جدید کی دلفریبی اور رنگینی میں اس قدر محو ہو گیا ہے کہ اس عالم ناپائیدار کی بے ثباتی اور اپنے انجام کے متعلق کوئی بات سننا بھی گوارا نہیں کرتا' اور اگر اللہ کا کوئی بندہ اس طرف توجہ دلانے کی کوشش کرے تو مختلف حیلے بہانے بنا کر اس موضوع سے پہلو تہی کی جاتی ہے اور بالآخر بات اس مثل تک جا کر اختتام پذیر ہو جاتی ہے کہ ع

"بابر بہ عیش کوش کہ عالم دوبارہ نیست"

یہ بات تو ایک لحاظ سے درست ہے کہ "عالم دوبارہ نیست" (زندگی دوبارہ نہ ملے گی) لیکن افسوس کہ معاملہ کی نوعیت اس کے برعکس ہے' یعنی "عالم دوبارہ نیست" کو جواز بنا کر "بہ عیش کوش" کو مقصد حیات قرار دینا دانشمندی ہرگز نہیں بلکہ ایک سفیہانہ انداز فکر و عمل ہے۔ یہ دنیا عیش کوشی اور من مانی کرنے کے لیے نہیں بنائی گئی ہے کہ اس میں انسان جانوروں کی طرح آزاد رہے' جس خوشے پر چاہے ہاتھ مارے اور جہاں چاہے پیر پھیلا کر سو رہے' خوب داد عیش دے اور کوئی نہ پوچھے کہ کیوں پیدا کئے گئے تھے اور کس طرح زندگی گذاری۔ بلکہ مالک کائنات نے عقل و خرد عطا فرما کر انسان کو خلیفۃ الارض اس لیے بنایا تھا کہ اس کا امتحان لے۔ چنانچہ فرمایا : الذی خلق الموت والحیات لیبلوکم ایکم احسن عملا...... (سورہ الملک)

(ایضاً) "وہ ذات جس نے موت و حیات کو پیدا کیا تاکہ تمہاری آزمائش کرے کہ تم میں کون اچھے عمل کرتا ہے۔"

مالک کائنات کھرے اور کھوٹے کو الگ کرنا چاہتا ہے اس لیے انسان کو عقل و خرد اور محدود اختیار و آزادی سے نوازا' ہدایت و گمراہی واضح کرنے کے بعد مہلت عمل دی کہ جاؤ دنیا میں رہ کر ثابت کرو کہ بندگی کا حق کہاں تک ادا کر سکتے ہو۔ دراصل اللہ تعالیٰ

نے تو انسان کی آفرینش سے قبل ہی اس کائنات کا بنیادی اور جوہری مسئلہ نہ صرف سمجھا دیا تھا بلکہ منوا بھی لیا تھا جس کا ذکر سورۃ اعراف میں ہے اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تشریح فرمائی اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کی ذریات سے عہد لیا "الست بربکم" یعنی کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں۔" تو قیامت تک کے سارے انسانوں نے "قالوا بلیٰ" کہا یعنی "بے شک آپ ہمارے رب ہیں۔" اس اقرار و عہد کے دن کو یوم الست کے نام سے یاد کیا جاتا ہے اور اس سچے اقرار ربوبیت کو عہد الست بھی کہا جاتا ہے۔ یہی مقدس اقرار انسانیت کے تحت الشعور اور اس کی فطرت میں موجود ہے۔ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہر بچہ (دین فطرت یعنی) اسلام پر پیدا ہوتا ہے 'پھر اس کے والدین اسے عیسائی' یہودی' یا مجوسی بنا دیتے ہیں اور تجربہ بھی شاہد ہے کہ ماحول انسان کو اس کے فطری دین سے ہٹا کر غیر اللہ کی بندگی کی طرف لے جاتا ہے' (الا ماشاء اللہ) حالانکہ اسے تو صرف اللہ کی بندگی کے ہی لیے پیدا کیا گیا تھا۔ جیسا کہ فرمایا :

وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون ○ (الذریات : ۵۶)

ترجمہ : "میں نے جنوں اور انسانوں کو صرف اس لیے پیدا کیا ہے کہ وہ میری ہی عبادت کریں۔"

مقصد تخلیق انسانیت کو مد نظر رکھا جائے اور عہد الست ذہنوں میں واضح رہے تو اس عالم دنیا میں انسانوں کے بھیجے جانے کے عظیم ربانی منصوبہ کا احساس انسان کے ذہن و خیال میں بخوبی تازہ رہ سکتا ہے جسے ہوشیاری سے نظرانداز کیا جا رہا ہے۔ اصل میں مالک کائنات اپنے بندوں کو اسی عہد الست کے سلسلہ میں آزمانا چاہتا ہے کہ کون ایفائے عہد کا حق ادا کرتا ہے اور کون بدعہدی کا مرتکب ہوتا ہے۔ ہر انسان یہ آزمائشی دور گزارنے کے لیے اس دنیا میں بھیجا جاتا ہے اور اسی کو زندگی کہا جاتا ہے۔ یہ ایک طرح کا Period Probational یعنی آزمائشی دور ہے۔ اس تناظر میں سوچا جائے تو یہ عالم دنیا ایک امتحان گاہ معلوم ہو گی 'سیر گاہ نہیں اور یہ حیات دنیا ایک مختصر عرصہ ہے جس میں انسان کو یہ ثابت کرنا ہے کہ وہ اپنے خالق حقیقی کا سچا نمک خوار' اس کا غلام' ایفائے عہد کرنے والا' موحد بندہ اور سچا پرستار ہے اور یہ کہ وہ اس اکیلے مالک کے علاوہ کسی اور کی بندگی کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔ اس مختصر آزمائشی دور یا Probationary Period کے علاوہ انسان کے پاس ایفائے عہد ثابت کرنے کے لیے دوسرا کوئی موقعہ نہیں ہے۔ مالک کائنات نے قانون وضع کر کے صراحت کے ساتھ بیان فرما دیا ہے :

حتیٰ اذا جاء احدھم الموت قال رب ارجعون ○ لعلی اعمل صالحاً فیما ترکت کلا انما کلمۃ ھو قائلھا ومن ورآئھم برزخ الیٰ یوم یبعثون ○ (المومنون :

ترجمہ : "یہاں تک کہ جب ان میں کسی کی موت آ جائے گی تو کہے گا "اے پروردگار مجھے پھر دنیا میں واپس بھیج دے تاکہ میں اس میں جسے چھوڑ آیا ہوں نیک کام کروں۔" ہرگز نہیں' یہ ایک بات ہے جسے وہ زبان سے کہہ رہا ہے اور ان کے پیچھے قیامت تک ایک آڑ ہے۔"

اب جس کا عرصہ حیات ایک دفعہ مکمل ہو گیا دوبارہ اسے ہرگز موقعہ نہیں دیا جائے گا۔ اس اعتبار سے اس کی اہمیت اور بھی

بڑھ جاتی ہے کہ کسی جاندار کو معلوم نہیں کہ اس کی موت کب آجائے گی اور کب اس کا یہ آزمائشی دور اچانک ختم ہو جائے گا۔ لیکن انسان کی ستم ظریفی دیکھئے کہ وہ یہی سمجھتا ہے کہ ابھی بہت وقت پڑا ہے' حالانکہ اس کے مہربان رب نے بھول جانے والے جلد باز انسان کے اس مختصر دور آزمائش کو زیادہ سے زیادہ سود مند بنانے کے لیے پے در پے انبیاً مبعوث فرمائے' کتابیں اتاریں' کہیں داعیان حق کو اٹھایا۔ تاکہ انسان یوم حساب کو فراموش کر کے اس موقعہ کو گنوا نہ دے۔ مالک عالم الغیب ہے' انسان کے دل میں اٹھنے والے خیالات تک سے واقف ہے قرآن میں واضح فرمایا دیا :

ولقد خلقنا الانسان و نعلم ما توسوس بہ نفسہ و نحن اقرب الیہ من حبل الورید○

(سورہ ق) "ہم ہی نے انسان کو پیدا کیا' اور جو خیالات اس کے دل میں آتے ہیں ہم ان کو جانتے ہیں اور ہم اس کی رگ جاں سے بھی زیادہ اس کے قریب ہیں۔"

اسے سب معلوم ہے کہ کون کیا کر رہا ہے۔ پھر بھی اس شفیق رب نے ایک ایسا نظام قائم کیا ہے کہ انسانی زندگی پر محیط اس آزمائشی دور کا ایک ایک لمحہ ریکارڈ کیا جا رہا ہے۔ ہر انسان کے ساتھ دو نگراں فرشتے ہیں جو اس کا ہر ہر عمل تحریر کرتے رہتے ہیں۔ دور آزمائش کے اختتام پر ہر انسان کی ایک جامع رپورٹ تیار ہو چکی ہو گی جو اس کی زندگی کے ہر گوشہ اور ہر لمحہ اپنے اندر سمیٹے ہوئے ہو گی۔ اس تفصیل کو اسلامی اصطلاح میں نامہ اعمال کہا جاتا ہے۔ ان دستاویزات کی حفاظت کے لیے مالک نے الگ الگ دو دفتر بنائے ہیں' علیین و سجین۔ نیکو کاروں کا اعمال نامہ علیین میں اور گناہگاروں کا سجین میں محفوظ کر دیا گیا ہے۔ قرآن کے الفاظ ملاحظہ ہوں : کلا ان کتاب الفجار لفی سجین وما ادرٰک ما سجین کتاب مرقوم

ترجمہ : "سن رکھو' بدکاروں کے اعمال نامے سجین میں ہیں اور تم کیا جانو کہ سجین کیا ہے' دفتر ہے لکھا ہوا۔"

مزید فرمایا۔ کلا ان کتاب الابرار لفی علیین وما ادرٰک ما علیون کتاب مرقوم

"سن رکھو کہ نیکو کاروں کے اعمال نامے علیین میں ہیں اور تمہیں کیا معلوم کہ علیین کیا ہے۔ دفتر ہے لکھا ہوا۔"

جب سارے انسان اس دنیا میں آکر اپنا آزمائشی دور پورا کر لیں گے تو پھر اس دنیوی زمین کی ضرورت باقی نہ رہے گی چنانچہ اس نظام کو حکم ربی سے ختم کر ڈالا جائے گا' اللہ کے مقرب فرشتے اسرافیل صور میں پھونک ماریں گے اور یہ نظام دنیا درہم برہم کر دیا جائے گا' ہر شئی ہلاکت سے دوچار ہو گی۔ اس سانحہ عظیم ہی کو قیامت کہا جاتا ہے۔ پھر صور (نفخ قیام) پھونکا جائے گا اور آدم علیہ السلام سے لیکر قیامت تک کے تمام انسان زندہ کر کے اٹھائے جائیں گے اور فیصلہ کا وہ عظیم دن رونما ہو گا جو پچاس ہزار سال کی طوالت پر محیط ہے' جسے یوم الدین' یوم التغابن' یوم الحساب' یوم الاخر جیسے ناموں سے یاد کیا جاتا ہے۔ رب ذوالجلال اپنا دربار سجائے گا' اس کے فرشتے صف بستہ با ادب کھڑے ہوں گے۔ اس وقت مالک کی طرف سے پکار کر کہا جائے گا "لمن الملک الیوم" یعنی "آج اقتدار کس کا ہے؟" انبیاء' صدیق' شہداء تمام اولیاء اللہ اور سارے ہی جن و انس موجود ہوں گے لیکن کسی کو لب کشائی تک کی ہمت نہ ہو گی' پھر مالک کائنات کی طرف سے جواب دیا جائے گا للہ الواحد القہار (المومن ۲۹)۔ پھر میزان عدل قائم کی جائے گی اور لوگوں کے اعمال نامے ان کو دیئے جائیں گے۔ جس کو بھی نامہ عمل دائیں ہاتھ میں ملا وہ کامیاب قرار دیا

گیا' امتحان دنیا میں کامیاب' اور جس کو پشت کی طرف سے بائیں ہاتھ میں اعمال نامہ تھمایا گیا وہ حیات دنیا کی کارکردگی میں ناکام قرار دیا جائے گا۔ آج دنیا میں غیر اللہ کی خدائی کے جھنڈے بلند کرنے والے' اور مردہ انسانوں کو غوث اعظم' دستگیر' گنج بخش' غریب نواز اور بندہ پرور بنانے والے اس دن روسیاہ ہوں گے اور اپنے ہی ہاتھوں کو افسوس اور شدید احساس ندامت سے کاٹ رہے ہوں گے' لیکن انہیں سوائے پچھتاوے کے کچھ حاصل نہ ہو گا۔

اس کے برعکس اللہ کو حقیقی معنوں میں اپنا رب ماننے والے اور اس کے ساتھ تمسک علائی کا رویہ اختیار کرنے والے ایماندار امتحان دنیا میں کامیاب قرار دیے جائیں گے اور ان کے اعمال میزان قیامت میں باوزن ہوں گے :

فامامن ثقلت موازینہ فھو فی عیشۃ راضیۃ ○ واما من خفت موازینہ فامہ ھاویہ ○ وما ادرٰک ماھیہ نار حامیہ ○ (القارعہ)

"تو جس کے (اعمال کے) وزن بھاری نکلیں گے' وہ دل پسند عیش میں ہو گا' اور جس کے (اعمال کے) وزن ہلکے ہوں گے' اس کا ٹھکانہ ھاویہ ہو گی اور تم کیا جانو کہ ھاویہ کیا ہے' (وہ) دہکتی ہوئی آگ ہے۔"

یہ بھی یاد رہے کہ قرآن و حدیث کے مطابق اللہ کے ساتھ شرک کرنے والے انسان کے اعمال خواہ کتنے ہی وزنی کیوں نہ ہوں' خواہ اس نے دنیا کی بیشمار نیکیاں حاصل کر لی ہوں مثلاً نمازوں پر نمازیں پڑھی ہوں' روزوں پر روزے رکھے ہوں' بار بار حج کیے ہوں' ساری زندگی سچ بولا ہو' انسانوں کی فلاح و بہبود پر خوب خرچ کیا ہو لیکن اس کا عقیدہ اگر شرک آلود ہو یعنی وہ رد روح' عرض اعمال' سماع موتی وغیرہ کے مشرکانہ عقائد کا حامل رہا ہو اور اسی پر اس کی موت واقع ہو تو ایسے شرک آمیز ایمان کے حامل "نیکوکاروں" کے اعمال کا کوئی وزن نہ اٹھے گا' بلکہ قیامت کی آندھی ان اعمال کو راکھ کے ڈھیر کی طرح اڑا لے جائے گی۔ قرآن نے یہ نقشہ اس طرح پیش کیا ہے :

قل ھل ننبئکم بالاخسرین اعمالا ○ الذین ضل سعیھم فی الحیٰوۃ الدنیا وھم یحسبون انھم یحسنون صنعا ○ (الکھف : ۱۰۳' ۱۰۴)

"کہہ دو کہ کیا ہم تمہیں بتائیں (ان کے بارے میں) جو عمل کے لحاظ سے بڑے نقصان میں ہیں' وہ لوگ جن کی حیات دنیا کی سعی برباد ہو گئی اور وہ یہ سمجھے ہوئے ہیں کہ اچھے کام کر رہے ہیں۔" مزید یہ فرمایا کہ :

فحبطت اعمالھم فلا نقیم لھم یوم القیٰمۃ وزنا ○ (الکھف : ۱۰۵)

ترجمہ : "ان کے اعمال ضائع ہو گئے اور قیامت کے دن ان کے اعمال کو ہم کوئی وزن نہ دیں گے۔"

اللہ تعالیٰ نے واضح فرما دیا کہ ایسے لوگوں کے اعمال حبط کر دیے جائیں گے اور ان کی دنیوی زندگی کی تمام کوشش کو بے وقعت و بے قیمت کر دیا جائے گا اور بالآخر ان کو جہنم کی دہکتی آگ میں جھونک دیا جائے گا' جہاں وہ "لا یموت فیھا ولا یحییٰ" (یعنی وہاں وہ نہ مریں گے' نہ جئیں گے) وہاں موت و حیات کی کشمکش میں ہمیشہ رہیں گے۔ اور ان کے عذاب میں اضافہ ہی ہوتا رہے گا۔

آگ سے جب کلیجہ جلے گا اور پانی طلب کریں گے تو پانی کی جگہ کھولتا ہوا تانبا دیا جائے گا جو ان کے منہ کے قریب آئے گا تو چہرہ کو جھلسا دے گا۔ پھر حمیم (کھولتا پانی) سر پر انڈیل دیا جائے گا جو بھیجے کو پھاڑ کر' گلے کو کاٹتا ہوا' سینے کو چیرتا ہوا' انتڑیوں کو گلاتا ہوا دوسرے راستہ سے باہر نکل جائے گا۔ یہ سب کچھ ہو گا لیکن موت نہ آئے گی۔ عذاب میں اضافہ پر اضافہ ہو گا' جلی کھالوں کی جگہ ہر لمحہ نئی کھالیں بنادی جائیں گی تاکہ عذاب بڑھتا ہی رہے۔

اس کے برعکس ایمانداروں کو ان کے دنیوی اعمال کے مطابق حسب مراتب لازوال نعمتوں بھری جنتوں میں داخل کیا جائے گا' وہاں نعمتوں کی فراوانی ہو گی اور حیات جاودانی کے ساتھ دائمی صحت و شباب اور حسین و جمیل جیون ساتھی عطا کئے جائیں گے جن کو قرآن میں حوروں کے نام سے یاد کیا گیا ہے۔ ان کا حسن و جمال بے مثال ہو گا' وہ دائمی باکرہ ہوں گی اور اپنے خاوند کی انتہائی وفاشعار و خدمت گذار رہیں گی۔ "اللہ رب کریم نے اپنے مومن بندوں کے لیے ایسی نعمتیں تیار کر کے رکھی ہیں جو نہ کسی آنکھ نے کبھی دیکھیں' نہ کسی کان نے کبھی سنیں اور نہ ہی قلب بشر پر اس کا خیال گذرا (بخاری و مسلم)۔ یہ سب اللہ کا فضل عظیم ہے جس کی بدولت انسان کے ایمان خالص اور عمل صالح کی ایسی پذیرائی و قدردانی ہو گی اور جنت میں رب کی طرف سے مہمان نوازی!

دنیا میں کچھ ایمانداروں کی غفلت اور عمل میں بے پرواہی کی وجہ سے گناہوں کے مقابلہ میں نیک اعمال کا وزن کچھ ہلکا ہو گا' انہیں کچھ عرصہ کے لیے سزا کے طور پر جہنم میں ڈالا جائے گا (الا یہ کہ غفور رحیم معاف فرما دے) اور پھر سزا بھگتنے کے بعد بالآخر جہنم سے نکال کر جنت کی لازوال نعمتوں میں داخل کر دیا جائے گا اور یہ انشاء اللہ ہر اس شخص کے ساتھ ہو گا جس کے دل میں ذرہ برابر بھی ایمان خالص (شرک کی آمیزش سے پاک) موجود ہو گا۔

کتاب اللہ گواہ ہے کہ ہر انسان کے ساتھ یہی معاملہ ہونے والا ہے یعنی:

فریق فی الجنۃ و فریق فی السعیر (الشوری : ۷)

یعنی "ایک گروہ جنتی ہو گا اور دوسرا گروہ جہنمی۔"

ان دو میں سے ایک انجام یقینی ہے اور اس سے مفر نہیں۔ آج جس طرح اسلامی عقائد کو بگاڑا گیا ہے' اسی طرح عقیدہ آخرت کو بھی بدل دیا گیا ہے۔ بعث بعد الموت کے قرآنی عقیدہ پر ایمان کے دعویدار بھی "یقین بالآخرۃ" کے صحیح مفہوم سے نا آشنا ہیں اسی لیے ایمان و عمل کے مکمل انحطاط سے دوچار ہیں۔ سطور بالا میں جو تفصیل بیان کی گئی اس کا خلاصہ یہ ہے کہ دنیا کی زینت و آرائش محض آزمائش کے لیے ہے اور آخرت کی کامیابی ہی اصل کامیابی ہے قرآن اس بات کو بڑے موثر انداز میں بیان کرتا ہے :

فما اوتیتم من شئی فمتاع الحیٰوۃ الدنیا وما عند اللہ خیر و ابقٰی للذین آمنوا وعلٰی ربھم یتوکلون○ (الشوریٰ : ۳۶)

"تم کو جو کچھ بھی دیا گیا ہے وہ تو حیات دنیا کی متاع قلیل (عارضی فائدہ) ہے اور جو کچھ اللہ کے پاس ہے وہ بہتر ہے اور باقی رہنے والا (لیکن) ان لوگوں کے لیے جو ایمان لائے ہیں اور اپنے رب پر توکل کرتے ہیں۔"

لہٰذا ضرورت اس امر کی ہے کہ اس چند روزہ زندگی کی آسائشوں میں محو ہو جانے کی بجائے' آخرت کی ابدی اور سرمدی کامیابی کے حصول کے لیے پوری کوشش کی جائے اور اس قلیل مہلت عمل کے ایک ایک لمحے کو غنیمت سمجھا جائے اور اس کی صحیح معنوں میں قدر کی جائے۔ نبی علیہ السلام کے فرمان کو یاد رکھیں!

الدنیا مزرعۃ الاخرۃ یعنی دنیا آخرت کی کھیتی ہے۔

جس کا صاف مفہوم یہ ہے کہ جو کچھ یہاں کاشت کیا جائے گا (ایمان اور عمل کی شکل میں) اس کا ثمر آخرت میں ملے گا جنت یا جہنم کے روپ میں۔ عذاب جہنم کے خوف اور جنت کی نعمتوں کی آرزو کے حامل ہو کر زندگی گزارنا ہی یقین بالآخرۃ کی اصل و جڑ ہے اس حقیقت کو پوری طرح ذہن نشین کر لینے کے بعد ہی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین نے اس دنیا کی رنگینی اور دلفریبی کی آلائش سے اپنے دامن تقویٰ کو پاک و صاف کر لیا تھا اور اس طرح تزکیہ و تربیت کے بعد وہ صالح و انقلابی قوم ابھری جس نے تاریخ انسانی کا شاندار باب رقم فرما دیا۔ دراصل خوف عذاب اور انعامات کی امید ہی میں بنی نوع انسان کی اصلاح کا راز پنہاں ہے! ورنہ معاشرے میں ظلم و جور اور جرائم کا وجود دنیاوی آسائشوں اور رنگینیوں کے حصول کو مقصد حیات بنانے پر ہی منحصر ہے۔ اس کے برعکس جب آخرت پر پورا یقین ہونے کے بعد دنیوی آسائش' عیش و عشرت کے بے حقیقت ہونے پر قلب و ذہن قطعی مطمئن ہو جائے اور انسان کا مقصد صرف اور صرف جنت کا حصول ہی ہو جائے تو پھر وہ ہر قدم اٹھانے سے پہلے یہ سوچنے پر مجبور ہوتا ہے کہ یہ اسے جنت کی منزل سے قریب تر کر رہا ہے یا دور لے جا رہا ہے' اس کے ذہن میں وقتاً فوقتاً قرآن کے الفاظ گونجتے رہتے ہیں :

یایھا الانسان انک کادح الی ربک کدحاً فملٰقیہ (انشقاق : ۶)

ترجمہ : "اے انسان تو بلاشبہ اپنے رب کی طرف (پہنچنے کی) خوب کوشش کر رہا ہے' پس اس سے جا ملے گا۔"

زہد و تقویٰ کا یہی معیار ہے جو اس عظیم مشن کے حاملین میں مطلوب ہے اور جو نبی علیہ السلام کی تربیت میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حاصل کر لیا تھا اور اس کا ہی یہ اثر تھا کہ عیش و عشرت کے دلدادہ مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ جو مکہ کے شہزادے کہلاتے تھے' احد میں شہید ہوئے تو ان کے جسم پر صرف ایک پوستین کے پیوند لگی چادر تھی جو ان کا کفن بنی اور وہ پورے بدن کے لیے کافی نہ تھی' سر ڈھانپا جاتا تو پیر کھل جاتے اور پیر ڈھانپا جاتا تو سر کھل جاتا۔ آخر سر کو چادر سے ڈھانپ دیا اور پیروں کو اذخر گھاس سے چھپا دیا۔ یقین بالآخرۃ نے کیسی کایا پلٹ دی! خود نبی علیہ السلام کی زندگی اس کا اعلیٰ ترین نمونہ تھی۔ بخاری کی روایت کے مطابق نبی علیہ السلام نے وفات کے وقت نہ درہم و دینار چھوڑے نہ لونڈی و غلام اور نہ کوئی مال و اسباب' سوائے ایک سفید خچر جس پر آپ سواری فرماتے یا آپ کے ہتھیار یا وہ زمین جو آپ نے مسافروں کے لیے وقف فرما دی تھی۔ اسلامی ریاست کے اولوالامر (حکمراں) ہونے کے باوجود یہ صورتحال تھی۔ آپ کی تعلیمؐ تربیت صحابہؓ کے لیے بھی یہی تھی چنانچہ عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنھما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے دونوں شانے پکڑے اور ارشاد فرمایا :

"کن فی الدنیا کانک غریب او عابر سبیل" (بخاری)

یعنی دنیا میں اس طرح رہو گویا ایک اجنبی (مسافر) ہو یا رہگذر۔

پھر عبداللہ ابن عمرؓ فرماتے تھے کہ شام نصیب ہو جائے تو صبح کا انتظار نہ کرو اور اگر صبح مل جائے تو شام کے منتظر نہ رہو۔ مرض سے قبل صحت کو غنیمت جانو اور موت سے پہلے زندگی کو۔ (بخاری)

ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اگر میرے پاس احد کے برابر سونا ہو تو میں یہ پسند کروں گا کہ تین دن کے بعد اس میں سے میرے پاس کچھ بھی باقی نہ بچے سوائے اس کے جو قرض کی ادائیگی کے لیے باقی رکھ لوں (متفق علیہ)۔ یہ وہ زہد تھا جو اس عظیم انقلابی تحریک کی بنیاد بنا جس نے قیصر و کسریٰ کی طاغوتی قوتوں کو زیر کیا۔ اگر ہمیں پھر اسی تحریکی جذبہ کو بیدار کرنا ہے تو سب سے پہلے حصول دنیا کی فکر کو محدود اور فکر آخرت (یعنی جہنم سے نجات اور جنت کے حصول) کو لامحدود کرنا ہو گا' تب ہی یہ دھرتی وہ منظر دیکھ سکے گی جو اس نے ڈیڑھ ہزار سال قبل دیکھا تھا' جبکہ قیصر و کسریٰ کے خزانے مسجد نبوی کے کچے فرش پر ڈھیر کر دیئے گئے اور کوئی حفاظتی تدبیر نہ کی گئی۔ اور صنعاء سے حضرموت کا سفر کرنے والی خاتون کو اپنے رب کے سوا کسی کا خوف نہ تھا۔ اس کے برخلاف اگر اسی طرح ہم سیم و زر کے حوالے' عیش و عشرت کے دیوانے ہو کر معاشرے کے دھارے میں بہتے رہے تو انقلاب اسلامی کا خواب ہی دیکھتے رہیں گے!

اس دنیا کی بے قیمتی کا اندازہ نبی علیہ السلام کے اس فرمان سے لگایا جا سکتا ہے' آپؐ نے فرمایا کہ اگر مالک کائنات کی نظر میں دنیا کی وقعت ایک مچھر کے برابر بھی ہوتی تو کافر و مشرک کو تو پانی کا ایک گھونٹ بھی نہ ملتا! (ترمذی حسن صحیح)

ایک دوسری روایت میں جابرؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہؓ کے ساتھ جا رہے تھے کہ آپ بکری کے مردہ بچے کے پاس سے گزرے جس کے دونوں کان چھوٹے تھے (یا کٹے ہوئے تھے) آپؐ نے اسے کان سے پکڑا اور فرمایا "تم میں سے کون اسے ایک درہم میں لینا پسند کرے گا؟ صحابہ نے عرض کیا کہ ہم میں سے کوئی بھی اسے کسی قیمت پر لینا پسند نہ کرے گا۔ پھر آپ نے فرمایا کہ کیا اسے کوئی مفت لینا پسند کرے گا۔ سب نے عرض کیا کہ "اللہ کی قسم اگر یہ زندہ بھی ہوتا تو عیب دار تھا کہ اس کے دونوں کان نہ ہونے کے برابر ہیں' اور اب تو یہ مردہ ہے۔ ہمارے کس کام کا؟ اس پر نبی علیہ السلام نے فرمایا "اللہ تعالیٰ کے نزدیک دنیا اس سے بھی کہیں زیادہ حقیر ہے جتنا یہ بچہ تمہارے لیے۔" (مسلم)۔

کس قدر حیرت کا مقام ہے کہ اس حقیر شے یعنی دنیا کو آج اتنی اہمیت دیدی گئی ہے اور اس کو ایمان پر بھی فوقیت حاصل ہے پھر اس طرز عمل کا انجام بھی سامنے ہے۔ پستی' ذلت و رسوائی قوم کا مقدر بن چکی ہے! مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان سچ ثابت ہو چکا ہے کہ "اللہ کی قسم مجھے تمہاری غربت' فقر و فاقہ کا اتنا ڈر نہیں جتنا اس بات کا ہے کہ دنیا تمہارے لیے بھی اتنی ہی پھیلا دی جائے جتنی تم سے پہلوں کے لیے وسیع کر دی گئی تھی اور تم بھی دنیا میں اسی طرح نہ پھنس جاؤ جیسے وہ پھنس گئے تھے اور تم بھی انہی کی طرح ہلاکت میں نہ پڑ جاؤ۔" (بخاری' مسلم)

ان ساری تعلیمات نبویہؐ کا یہ مطلب نہیں کہ دنیا کی نعمتیں اگر مل رہی ہوں تو انہیں چھوڑ کر انسان تارک الدنیا ہو جائے جس طرح صوفیاء نے کیا۔ انہوں نے تو اسلام کے ہر حکم کے خلاف ایک محاذ بنا لیا تھا بلکہ شریعت اسلامی کی جگہ طریقت کے نام پر نیا دین

(باقی صفحہ ۹۰ پر)

قافلہ ہے رواں دواں بحمداللہ

(الف) حلقہ طلباء و نوجوانان کا ساتواں سالانہ تربیتی اجتماع

طلباء اور نوجوانوں کا یہ دو روزہ تربیتی اجتماع مسجد توحید کیتاڑی ضلع دیر (صوبہ سرحد) میں ۲۲ اور ۲۳ مارچ ۱۹۹۵ء کو منعقد ہوا۔ اس اجتماع میں صوبہ سرحد کے علاوہ سندھ (کراچی و اندرون سندھ) سے کافی تعداد میں نوجوان ساتھیوں نے شرکت کی جبکہ پنجاب سے شرکت کرنے والوں کی تعداد نسبتاً کم رہی۔ ۲۲ مارچ کو صبح بعد صلوٰۃ الفجر لیفٹیننٹ ارشد صاحب نے (سورۃ الکہف) کی آیت (انھم فتیۃ آمنوا بربھم) پر مشتمل تفصیلی اور موثر درس قرآن دیا اور اصحاب کہف کے حوالے سے ایمان کی اہمیت اور اس کے تقاضوں کو واضح کیا کہ اصحاب کہف اپنی قوم کے چند نوجوان تھے جن کو اللہ نے کفر و شرک کے ماحول میں ایمان کی توفیق دی تو وہ اس کے ترجمان بن کر اٹھ کھڑے ہوئے اپنے ماحول اور معاشرے کے اجتماعی نظام فکر و عمل کے ساتھ سازگاری قائم رکھنے کے بجائے اس سے برات بیزاری کا اظہار کیا اور برملا اس بات کا اعلان کیا کہ ہم اللہ' پروردگار ارض و سماء کے علاوہ کسی اور کو معبود سمجھ کر نہیں پکاریں گے۔ یہاں تک کہ جب ان کو اصلاح احوال کی کوئی صورت نظر نہ آئی بلکہ قوم کی طرف سے شدید مزاحمت اور جبر کا خدشہ محسوس ہوا تو ان سے مکمل علیحدگی اختیار کرکے' اپنے ایمان کی حفاظت کے لئے گوشہ گمنامی میں جانے کے لیے تیار ہو گئے۔ چنانچہ اللہ کی رحمت اور نصرت پر توکل اور امید کے ساتھ غار میں چلے گئے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی اس جوانمردی اور ایمان پر استقامت کی اس طرح قدردانی فرمائی کہ ان کو اس غار میں تین سو سال تک سلانے کے بعد اٹھایا اور بعد والوں کو ان کے حال سے باخبر کرکے اس واقعہ کو قیامت کی دلیل کے طور پر ان کے لیے سبق آموز بنادیا اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اپنی کتاب مقدس میں ان کا ذکر فرما کر رہتی دنیا تک اہل ایمان کے لیے ان کو ایک تابناک مثال کے طور پر پیش فرمادیا۔

ناشتے وغیرہ کے وقفے کے بعد اس تربیتی اجتماع کا باقاعدہ آغاز خویشگی (صوبہ سرحد) کے بخت بلند صاحب کے ابتدائی کلمات سے ہوا انہوں نے شرکاء کے سامنے اجتماع کی غرض وغایت کو واضح کیا جس میں شرکت کے لیے وہ دور دراز سے سفر کی صعوبت برداشت کرکے جمع ہوئے اور ساتھ ہی شرکاء سے اجتماع کے دوران نظم وضبط' پابندی اوقات اور ایک دوسرے کے لیے ایثار کی درخواست کی تاکہ وہ تمام تر پروگرام سے بھرپور استفادہ کرسکیں۔

اس کے بعد ناظم طلباء و نوجوانان' خالد محمود بخاری صاحب نے اسلام اور تصوف کے موضوع پر مفصل اور مدلل خطاب کیا جس میں انہوں نے اسلام اور تصوف کا موازنہ پیش کرتے ہوئے واضح کیا کہ جس چیز کو آج' تصوف کی آمیزش کے ساتھ اسلام کے نام پر پیش کیا جارہا ہے وہ دراصل اسلام کی ضد ہے۔ اس سلسلے میں انہوں نے تصوف کے بنیادی نظریات (وحدت الوجود' وحدت الشہود اور حلول) اور

بڑے بڑے نامور صوفیاء کی تعلیمات اور دعاوی کو ان کی تحریروں کے حوالے سے پیش کیا۔

اس کے بعد قرآن وحدیث اور لٹریچر پر مبنی سوال وجواب کا نہایت دلچسپ پروگرام ہوا۔ سلمان عبداللہ جو اس پروگرام کے کمپیئر تھے وہ تمام شرکاء سے ایک سوال پوچھتے جس کو اس کا جواب آتا وہ اپنا ہاتھ کھڑا کرتا جو ایک سوال کا صحیح جواب دیتا اسے دوسرے سوال کے صحیح جواب پر اگلے مرحلے کے لیے منتخب کرلیا جاتا اس طرح دس افراد دوسرے مرحلے میں پہنچے مزید سوال وجواب کے بعد ان میں سے تین افراد آخری مرحلے میں داخل ہوئے اور ان کے درمیان اسپیڈ کوئز (Speed Quiz) کا مقابلہ ہوا اور بالآخر درجہ بندی کے اعتبار سے نتیجہ کچھ اس طرح رہا۔

انیس بیگ	ناظم آباد کراچی	اول
سجاد حسین	سرگودھا	دوئم
گلزار فاروقی	ناظم آباد کراچی	سوئم

چائے کے وقفے کے بعد وفات ختم الرسول صلی اللہ علیہ وسلم کے موضوع پر تحریری امتحان ہوا جبکہ اس کے ساتھ ہی مسجد کے صحن میں بچوں کے درمیان دعوت الی اللہ کے طرز پر تقاریر کا مقابلہ ہوا تحریری امتحان میں تینتالیس (۴۳) افراد نے حصہ لیا اور نتیجہ درج ذیل ہے:

(۱) سجاد حسین سرگودھا نے ۱۰۰/۸۳ نمبر حاصل کر کے اول پوزیشن لی۔

(۲) محمد یونس کیماڑی کراچی نے ۱۰۰/۸۰ نمبر حاصل کر کے دوسری پوزیشن لی۔

(۳) اشتیاق احمد ناظم آباد کراچی نے ۱۰۰/۸۷ نمبر حاصل کرتے تیسری پوزیشن لی۔

ان کے علاوہ طاہر جلیل ملیر کراچی نے ۱۰۰/۷۷ 'عبداللہ عمر خویشگی' عبدالصمد ناظم آباد کراچی اور سلمان عبداللہ رفاہ عام کراچی میں سے ہر ایک نے ۱۰۰/۷۵ اور سعید اقبال اٹک نے ۱۰۰/۷۳ نمبر حاصل کئے دعوت الی اللہ کی تقاریر کے مقابلے میں بچوں کے ساتھ بڑوں نے بھی حصہ لیا چنانچہ اس مقابلے میں خویشگی سرحد کے ڈاکٹر نگین خان نے ۱۰ میں سے ساڑھے ۹ نمبر حاصل کر کے پہلی پوزیشن لی' جبکہ دوسری پوزیشن بالاکوٹ سے کمسن بچے عثمان نے ۱۰/۹ نمبر لیکر حاصل کی اور اسد باوزیر لانڈھی کراچی ۱۰/۸ نمبر حاصل کر کے تیسری پوزیشن لے گئے۔

بعد ازاں تعارفی نشست ہوئی جس میں شرکاء اجتماع نے باری باری اپنا تعارف کرایا۔

صلوۃ الظہر کے بعد ساتھی کتیاڑی کے خوبصورت علاقے کی سیر وتفریح کے لیے نکلے اور مقامی ساتھی زاہد خان صاحب کی رہنمائی میں دریا پار کر کے شعبان کی مسجد میں بھی گئے جہاں چشمے کے ٹھنڈے پانی سے خوب محظوظ ہوئے' وہاں سے واپسی پر صلوۃ العصر کے بعد مقامی بازار میں لوگوں کے سامنے دعوت الی اللہ پیش کی گئی۔ صلوۃ العشاء کے بعد سرحد کے ساتھی اللہ داد صاحب نے پشتو میں درس قرآن دیا جس کو بڑی توجہ سے سنا گیا۔

۲۳ مارچ کو صلوۃ الفجر کے بعد کراچی کے ساتھی منور سلطان صاحب نے سورۃ النحل کی آیت **ادع الی سبیل ربک بالحکمۃ والموعظۃ الحسنۃ**... کے حوالے سے درس قرآن دیا جس میں قرآن وحدیث کے دلائل سے تبلیغ دین کی اہمیت اور اس کے طریق کار کو بحسن وخوبی واضح کیا گیا۔

ناشتے اور اشراق کے وقفے کے بعد کراچی کے خالد عزیز صاحب نے شرکاء اجتماع کے سامنے تجوید القرآن کے بنیادی اصول بیان کئے اور ان کی روشنی میں قرأت کی مشق کرائی۔ اس کے بعد قرآن مجید کی مختلف آیات کے حوالے سے سوال جواب کا پروگرام ہوا جس میں شرکاء کو دو حصوں میں تقسیم کر کے قرآن کی آیات کے نزول اور واقعاتی پس منظر کے تعلق سے سوالات کئے گئے ساتھیوں نے بڑی دلچسپی سے اس میں حصہ لیا اور قرآنی آیات کے متعلق اس معلومات افزا پروگرام کو بہت پسند کیا گیا۔

بعد ازاں صوبہ سرحد کے امیر عمر خطاب صاحب نے (سورۃ النساء کی آیت یاایھا الذین آمنو اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول) کی روشنی میں نہایت عالمانہ خطاب کیا اور کتاب وسنت کی تعلیمات کے حوالے سے طلباء اور نوجوانوں کے سامنے آیت مذکورہ کا صحیح مفہوم بیان کرتے ہوئے اس کے تقاضے کے طور پر اطاعت فی المعروف اور نظم وضبط کی اہمیت کو واضح کیا۔ عمر خطاب صاحب کی تقریر کے بعد فہم القرآن کا پروگرام ہوا جس کے تحت سورۃ الزمر کی آیت (والذین اجتنبوا الطاغوت ان یعبدوھا) کے حوالے سے مختلف ساتھیوں نے تقاریر کیں جن میں انہوں نے اپنا حاصل مطالعہ بیان کیا۔ اس پروگرام کے جج صاحبان خالد محمود بخاری اور بخت بلند تھے جن کے فیصلے کے مطابق کراچی سلمان عبداللہ نے پہلی محمد یونس نے دوسری اور عبداللہ عمر (خویشگی صوبہ سرحد) نے تیسری پوزیشن حاصل کی۔ یاد رہے کہ اس پروگرام کے علاوہ دوسرے (مقابلہ) پروگراموں میں اول، دوئم اور سوئم آنے والوں کو انعامات بھی دیئے گئے۔

یہ دو روزہ تربیتی پروگرام ناظم طلباء سندھ خالد عزیز صاحب کے اختتامی کلمات پر اختتام پذیر ہوا۔ انہوں نے نوجوان ساتھیوں کو اللہ کے دین کے حوالے سے اپنی ذمہ داریوں کا احساس دلاتے ہوئے اس بات کی تلقین کی کہ انہوں نے اس اجتماع میں جو کچھ سیکھا اس کو نہ صرف یاد رکھیں بلکہ اپنے حلقوں میں جاکر اس کو دوسرے ساتھیوں تک پہنچائیں۔ انہوں نے میزبان ساتھیوں کی میزبانی کا شکر ادا کیا جنہوں نے شرکاء اجتماع کی ایک ایک ضرورت کا خیال رکھا اور نبی علیہ اسلام کی سنت کے مطابق ان کے لیے دعا فرمائی۔

آخر میں اس اجتماع کے تعلق سے یہ کہنا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ یہ اجتماع نظم وضبط کا بہترین نمونہ تھا نوجوان ساتھیوں نے اجتماع کے دوران ذوق وشوق اور باہمی طور پر ایثار ومحبت کا بھرپور اظہار کیا مقامی ناظم اور بزرگ ساتھی چراغ زمین صاحب نے شرکاء اجتماع کا بالکل اسی طرح خیال رکھا جس طرح ایک باپ اپنی اولاد کا خیال رکھتا ہے نوجوان ساتھیوں سے ان کی شفقت مثالی تھی اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اپنے دین کے لیے ہمارے جذبہ ذوق وشوق اور دلچسپی میں ترقی فرمائے اور اس تعلق سے ہمارے دلوں میں ایک دوسرے کے لیے نرمی ومحبت میں مزید اضافہ فرمائے۔ آمین۔

(ب) سالانہ اجتماع صوبہ پنجاب

پنجاب سطح کا یہ دو روزہ اجتماع عام ۲ اور ۳ اپریل ۱۹۹۵ کو مسجد توحید شیخ پورتو (ضلع قصور) میں منعقد ہوا، جس میں پنجاب کے تمام حلقوں سے ساتھیوں نے شرکت کی۔ بیرون پنجاب (سندھ، بلوچستان، سرحد اور آزاد کشمیر) سے آنے والوں میں تعداد کے اعتبار سے حسب سابق اس دفعہ بھی کراچی کے ساتھی سرفہرست رہے جو (چالیس پینتالیس کی تعداد میں) امیر تنظیم کے ساتھ ہی یکم اپریل کی شام کو شیخ پورتو پہنچے۔ شرکاء اجتماع کی اکثریت یکم اپریل کی رات کو اجتماع گاہ میں پہنچ گئی تھی تاہم کچھ ساتھی ۲ اپریل کی صبح کو پہنچے۔

صلوٰۃ الفجر کے بعد پنجاب کے امیر حکیم محمد رمضان صاحب نے سورۃ ابراہیم کی آیات ۳۱ تا ۳۴ پر مشتمل درس دیا۔ حکیم صاحب نے آیات مذکورہ کے حوالے سے ایک طرف اہل ایمان پر عائد جانی ومالی عبادات کے فریضے کو اجاگر کرتے ہوئے بتایا کہ صلوٰۃ کی ادائیگی اور انفاق فی سبیل اللہ کے ذریعے اپنے رب کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے دنیا کی زندگی ہی پہلا اور آخری موقع ہے اور اگر اس مہلت عمری کو ضائع کردیا جائے تو پھر تلافی مافات کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہتی۔ فیصلے (قیامت) کے دن نہ تو انسان اپنے لیے کوئی خیر کما سکے گا اور نہ ہی کوئی اور چیز اس کے کام آئیگی، دوسری طرف اللہ تعالیٰ کے تخلیقی مظاہر، اسکی صناعی وکاریگری اور بیشمار نعمتوں کو قرآن کی دوسری آیات کے حوالوں سے تفصیل کے ساتھ، بڑے موثر انداز میں بیان کیا اور انسانیت کے اس المیے کا خصوصی طور پر ذکر کیا کہ اسکی اکثریت

ہمیشہ ظلم اور ناشکرے پن پر کمربستہ رہتی ہے۔ چنانچہ انسان جب ظلم وزیادتی اور سرکشی وبغاوت پر آتا ہے تو اللہ کے مقابلے میں فرعون اور نمرود کی شکل میں انا ربکم الاعلیٰ اور انا احی وامیت کے اعلان کرتا ہے اور کہیں منصور حلاج اور دیگر صوفیاء کی صورت میں اناالحق کے مستانہ نعرے لگاتا اور خدائی کے دعوے کرتا ہے اور جب بندگی کے مقام سے گرتا ہے تو پھر شجر وحجر اور قبر و تعزیے کے سامنے جھک جاتا ہے۔ حکیم صاحب کے درس کے بعد اشراق وناشتے کے لیے وقفہ ہوا۔

وقفے کے بعد تقریباً ساڑھے سات بجے اس دو روزہ اجتماع کا باقاعدہ آغاز سرحد کے امیر عمر خطاب صاحب کے افتتاحی کلمات سے ہوا۔ عمر خطاب صاحب نے سورۃ المومن کی آیات ۲۸ تا ۳۴ کے حوالے سے فرعون کے دربار میں ایک رجل مومن (جو ماحول کے دباؤ کے تحت اپنے ایمان کو پوشیدہ رکھے ہوئے تھا) کے کردار پر روشنی ڈالی جس نے موسیٰ علیہ السلام کی دعوت کی تائید میں وقت کے سرکش اور جابر ترین حکمران کے سامنے بھرے دربار میں کلمہ حق بلند کیا اور اپنی قوم کو 'دنیا و آخرت کی حقیقت واضح کرتے ہوئے 'حق کی مخالفت کے انجام بد سے ڈرایا۔ جس طرح صاحب یٰسین نے ایک ایسے موقع پر جبکہ اسکی بستی والے اللہ کے رسولوں کی دعوت کو جھٹلا کر ان کے درپے آزار ہوگئے تھے 'بستی کے دوسرے کنارے سے لپک کر رسولوں کی دعوت کی تصدیق و تائید کی اور قوم کے سچے خیر خواہ کا کردار ادا کرتے ہوئے اسکو دعوت حق کی تکذیب اور مخالفت سے روکنے کی کوشش کی یہاں تک کہ اللہ کی نافرمان قوم کے غیض وغضب کا شکار ہوا اور حق کی شہادت دیتے ہوئے جان کی قربانی پیش کردی۔

ہمارے سامنے بھی بہت سی پکاریں لگ رہی تھیں جو آج بھی اسی طرح جاری و ساری ہیں لیکن مالک نے ہمیں قرآن و حدیث کی تعلیمات کے مطابق ایک سچی پکار پر لبیک کہنے کی توفیق بخشی۔ اب اسکی قدردانی کا تقاضا یہ ہے کہ اس دعوت کو اپنے اندر جذب کر کے اسکو دنیا والوں کے سامنے عام کیا جائے۔ اسی مقصد کے لیے یہ اجتماعیت وجود میں آئی اور اس کام کا آغاز ہوا ہے۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ تعلیم و تربیت سے اپنے آپ کو آراستہ کیا جائے۔ اسی مقصد کے تحت اسطرح کے اجتماعات منعقد کیے جاتے ہیں۔ ہم میں کوئی بھی علامہ ہونے کا دعویدار نہیں بلکہ سب طالب علم ہیں اور یہ طالب علمانہ جذبہ اور ذوق و شوق جاری رہنا چاہئے۔ اللہ کے دین کا علم مولوی بننے کے لیے نہیں بلکہ دین کا داعی اور اللہ کی راہ کا مجاہد بننے کے لیے حاصل کرنا ہے۔ لوگ دنیوی مفادات 'جمہوریت طاغوت پرستی اور کھیل تماشے کے لیے جمع ہوتے ہیں۔ ہم اللہ کی توفیق سے اس کے دین کی دعوت کو پھیلانے اور اس سلسلے میں باہمی رابطے اور تعلیم و تربیت کے لیے جمع ہوتے ہیں۔ ہمارے سامنے یہاں اور یہاں سے جانے کے بعد اس کی اہمیت اور یہ فرق و امتیاز واضح رہنا چاہئے۔ ہم اس طرح کے پروگراموں میں ذوق و شوق سے شرکت کریں۔ ان سے بھرپور استفادہ کریں۔ یہاں سے جو سیکھ کر جائیں وہ اپنے دوسرے بھائیوں کو سکھائیں۔ تاکہ اپنے اوقات ومال کی قربانی اور سفر کی صعوبتوں کا مقصد حاصل ہو۔

عمر خطاب صاحب کے افتتاحی کلمات کے بعد راولپنڈی کے ساتھی خلیل الرحمٰن صاحب نے تجوید القرآن کی اہمیت کو واضح کرتے ہوئے شرکاء اجتماع کے سامنے تجوید کے بنیادی اصول بیان کئے اور پھر ان کے مطابق آیات قرآنی کی تلاوت کی مشق بھی کرائی۔

اس کے بعد لیفٹیننٹ (ر) ارشد صاحب نے "ایمان کے بنیادی تقاضے" کے عنوان پر اپنے مخصوص انداز میں سامعین کے جذبات کو

گرمادینے والی تقریر کی۔ انہوں نے سورۃ الحدید کی آیت الم یان للذین امنوا ان تخشع قلوبھم لذکر اللہ۔۔۔الخ سے اپنی تقریر کا آغاز کیا اور پھر قرآن وحدیث کے متعدد حوالوں سے ایمان کے تقاضوں کو اس طرح واضح کیا کہ ایمان قبول کرنا ایک بھاری ذمہ داری ہے' ایسی ذمہ داری جس کو اٹھانے سے پہاڑ بھی گریزاں رہنے پر مجبور ہوں۔ سچے ایمان والوں کی پہچان خود اللہ کی کتاب کراتی ہے کہ صحیح معنوں میں ایماندار اور اپنے دعویٰ ایمان میں سچے تو وہ لوگ ہیں جو اللہ اور اس کے رسولؐ پر ایمان لانے کے بعد کسی قسم کے شک وتردد میں نہیں پڑتے اور اپنے مال اور جان سے اللہ کی راہ میں جہاد کرتے ہیں (الحجرات) انہی کے بارے میں دوسرے مقامات پر کہا گیا ہے کہ وہ ایمان لانے کے بعد اسکی گواہی نیک اعمال کی صورت میں پیش کرتے ہیں اس کے تقاضے کے طور پر جملہ فرائض عبادت کی ادائیگی کے ذریعے اللہ کے ساتھ بندگی کے رشتے کو استوار رکھتے ہیں پھر لوگوں کے سامنے دعوت حق پیش کرتے ہیں اور اس راہ میں ہر طرح کی آزمائشوں کو انگیز کرکے صبروثبات کے ساتھ جمے رہتے ہیں۔ (البقرہ : ۱۷۷' والعصر) گویا ایسے دعویداران ایمان پرکٹ کردیئے گئے ہیں کہ صرف یہی سچے ہیں جنکا ایمان جماجمایا ہے اور وہ پھسلنے والے نہیں۔ یہ اللہ کی راہ میں مسابقت کرنے والے اور دعوت کے میدان کو گرم کرنے والے ہیں جو اس سلسلے میں کسی لومۃ لائم کی پروا نہیں کرتے مصیبت کیوقت فقط اللہ سے رجوع کرنے اور اسی پر توکل وبھروسہ کرنے والے۔ ایسے ایمان داروں کی صفات سورۃ المومنون' الفرقان اور کئی دوسرے مقامات پر بیان کی گئی ہیں صحابہ کرامؓ کی زندگیاں ان صفات کی چلتی پھرتی تصاویر تھیں انہی صادق الایمان لوگوں کا ذکر سورۃ الانفال میں اس طرح کیا گیا ہے انما المومنون الذین اذا ذکر اللہ وجلت قلوبھم واذا تلیت علیھم آیتہ زادتھم ایمانا وعلی ربھم یتوکلون○ الذین یقیمون الصلوۃ وممارزقنھم ینفقون○

کہ اللہ کی نظر میں حقیقی مومن تو وہ ہیں کہ جب اللہ کا ذکر ہو تو ان کے دل لرز جائیں' نرم پڑ جائیں اور اللہ کی کتاب کی آیات سن کر ان کے ایمان میں اضافہ ہو اور وہ اللہ ہی پر بھروسہ کرنے والے صلوٰۃ قائم کرنے اور اللہ کے دیئے ہوئے مال کو اسی کی راہ میں خرچ کرنے والے ہوں۔ انبیاء علیہم السلام کی بعثت کا مقصد دنیا والوں کو طاغوت سے اجتناب کرتے ہوئے اللہ کی بندگی پر قائم کرنا ہے' مالک نے ہدایت سے نوازنے کے بعد اپنی راہ میں آزمائشوں کے ذریعے انکی اور ان کے ایماندار ساتھیوں کی تربیت کا انتظام فرمایا ہے۔ ایمان اختیار کرنے کے بعد اہل ایمان کا اللہ کی راہ میں نکل کر اسکی بندگی میں استقامت دکھانا ہی ایمان کا بنیادی تقاضا اور اللہ کے نزدیک مطلوب ومقصود ہے۔ یہی ایمانداروں کے لیے تربیت کا میدان ہے۔ جس میں کتاب وسنت سے تعلق کے ساتھ ساتھ باہمی رابطہ وتعلق کے ذریعے اپنے آپ کو تعلیم وتربیت سے آراستہ کرنا ہے۔ بلاشبہ ہم کمزور وناتواں ہیں مگر ہمارا رب بہت طاقتور بلکہ تمامتر قوت وطاقت کا مالک ہے اسکی راہ میں استقامت کے عزم وارادے سے نکلیں گے تو وہ ہر طرح کی رہنمائی اور ہمت وطاقت سے نوازے گا اور قول وفعل میں مطابقت پیدا کرکے شہادت کی موت عطا فرمائے گا۔ لیفٹیننٹ ارشد صاحب کی تقریر کے بعد تعارفی نشست ہوئی جس میں ساتھیوں نے فردا فردا کھڑے ہو کر اپنا تعارف کرایا۔ صلوٰۃ العصر کے بعد فہم القرآن کا پروگرام ہوا جس میں سورۃ الزمر کی آیت والذین اجتنبوا الطاغوت ان یعبدوھا وانابوا الی اللہ۔۔۔الخ (۱۷) کے حوالے سے دس تقاریر ہوئیں جن میں مختلف علاقوں سے تعلق رکھنے والے ساتھیوں نے حصہ لیا۔ پروگرام کی نگرانی کرنے والے جج صاحبان ڈاکٹر عمر خطاب وماسٹر طفیل بیگ کے متفقہ تبصرے کے مطابق تقاریر کا معیار کافی بہتر تھا اور مقررین نے

موضوع کے ساتھ انصاف کرتے ہوئے مناسب حوالاجات سے اپنی تقاریر کو مزین کیا۔ ان کے فیصلے کے مطابق راولپنڈی کے ساتھی خلیل الرحمن صاحب نے اول پوزیشن حاصل کی جبکہ ڈیرہ غازی خان کے محمد حنیف صاحب کراچی کے محمد سہیل صاحب اور لاہور کے ملک امان اللہ صاحب نے یکساں طور پر دوسری اور سبی (بلوچستان) سے محمد رفیق صاحب نے تیسری پوزیشن حاصل کی۔ صلوٰۃ العصر کے بعد فتنہ انکار حدیث کے تعلق سے کراچی کے تین ساتھیوں (یعقوب علی صاحب' سعید احمد صاحب اور انیس الدین صاحب) نے مشترکہ طور پر انکار حدیث کے تاریخی پس منظر اور تدوین حدیث کے بارے میں بعض مغالطوں کی وضاحت کے سلسلے میں معلومات افزا گفتگو کی اور مذاکرے کی شکل میں منکرین حدیث کی طرف سے اٹھائے جانے والے بعض اعتراضات و سوالات کے جواب دیے۔

مغرب اور عشاء کے درمیان طعام وغیرہ کے لیے وقفہ رہا۔ صلوٰۃ العشاء کے بعد فتنہ انکار حدیث بالخصوص رفع عیسیٰ اور مسئلہ سحر کے بارے میں تحریری امتحان ہوا جس میں زیادہ تر نوجوان ساتھیوں نے حصہ لیا۔ پروگرام کے دوسرے دن ڈاکٹر عمر خطاب صاحب نے اس تحریری امتحان کے نتائج کا اعلان کرتے ہوئے جھنگ کے ساتھی ظفر اقبال کو اول' جام پور ڈیرہ غازی خان کے نعیم اختر اور کراچی کے صابر علی کو دوم اور سرگودھا سے سجاد حسین کو سوم قرار دیا۔ اول' دوم اور سوم آنے والے ساتھیوں نے علی الترتیب 74/100' 67/100 اور 57/100 نمبر حاصل کئے جبکہ ضرار لطیف (لاہور) اور ڈاکٹر رمضان (ملتان) نے چوتھی اور پانچویں پوزیشن حاصل کی۔

۳ اپریل کو صلوٰۃ الفجر کے بعد سرگودھا کے ناظم ماسٹر عبدالعزیز صاحب نے سورۃ التحریم کی ابتدائی آیات پر مشتمل درس قرآن دیا اور قرآنی تعلیمات کی روشنی میں بعض بنیادی اصولی باتوں کی اسطرح وضاحت فرمائی۔

(۱) حلال و حرام کے بارے میں فیصلے کا اختیار صرف اللہ کے پاس ہے اور کوئی نبی یا رسول اللہ کی مرضی کے بغیر محض اپنی طرف سے حلال و حرام کے بارے میں فیصلہ نہیں کر سکتا۔

(۲) عالم الغیب فقط اللہ کی ذات ہے۔ کوئی نبی بھی اللہ کی طرف سے اظہار یا اطلاع کے علاوہ غیب کا علم نہیں رکھتا اور نہ اسے یہ خبر ہوتی ہے کہ اللہ کی طرف سے کیا معاملہ پیش آنے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیھم السلام سے اعلان کروا دیا کہ وہ نفع و نقصان کے مالک اور عالم الغیب نہیں ہیں مثلاً:

قل لا املک لنفسی نفعا ولا ضرا الا ما شاء اللہ ولو کنت اعلم الغیب لاستکثرت من الخیر وما مسنی السوء۔۔۔۔ (الاعراف: ۱۸۸)

"(اے نبی) کہہ دو کہ میں اپنے نفس کے لیے بھی کسی نفع و نقصان کا اختیار نہیں رکھتا مگر جو اللہ چاہے اور اگر میں غیب کا علم رکھتا تو (اپنے لیے) بہت سے فائدے (کی چیزیں) جمع کر لیتا اور مجھے کوئی تکلیف نہ پہنچتی۔

(۳) نبی براہ راست اللہ کی نگرانی میں ہوتا ہے اور قرآن کی صورت میں مرتب ہونے والی وحی کے علاوہ بھی اللہ کی طرف سے نبی پر وحی ہوتی ہے۔

اللہ کے دین کی تعلیمات بالکل واضح اور اٹل ہیں لیکن لوگوں نے ان کے مقابلے میں انتہائی مبالغہ آمیز نظریات قائم کر لئے ہیں۔

احبار و رھبان کو اپنا رب بنالیا جنھوں نے اللہ کی کتاب کے برخلاف حلال و حرام کے معیارات اپنی طرف سے قائم کرلیے ہیں۔ علاوہ ماورالنہر کی طرف سے ملاوٹ شدہ دین آیا' تصوف کے سلسلے قائم ہوئے اور اسطرح کتاب و سنت کی تعلیمات پر مبنی دین اسلام کے متوازی دین طریقت جاری ہوا جس نے اسقدر گندگی پھیلائی کہ آج دین حنیف اور اس کے مطابق خالص عقائد و نظریات کی نشاندہی پر تعجب اور حیرانگی کا اظہار ہورہا ہے جیسے کہ کوئی نئی اور انوکھی بات پیش کردی گئی ہو۔

ناشتے اور اشراق کے وقفے کے بعد پروگرام کے مطابق خانیوال کے نائب ناظم ماسٹر سرفراز صاحب کو سورۃ الجاثیہ کی آیت افرءیت من اتخذ الھہ ھولہ ..... کے حوالے سے پنجابی میں تقریر کرنا تھی لیکن ان کی چند وجوہات کی بنا پر عدم شرکت کے باعث یہ فریضہ ملتان کے ڈاکٹر رمضان صاحب نے انجام دیا۔ انہوں نے آیت مذکورہ' جس میں ھوائے نفس کی پیروی کو الہ و معبود بنانے کے مترادف قرار دیا گیا ہے' کی روشنی میں اس بات کو واضح کیا کہ کتاب و سنت کی تعلیمات کے مطابق عقیدہ بنیادی چیز ہے اور یہ کہ الہ و معبود صرف اللہ کی ذات ہے۔ انسان کو چاہیے کہ وہ اپنی خواہشات نفس' ذاتی پسند یا پسند کے معیارات کو کتاب و سنت کی تعلیمات کے تابع کرے لیکن اس کی اکثریت نے اس کے بجائے کتاب و سنت کی تعلیمات کو اپنی پسند و ناپسند اور خواہشات نفس کے تابع کردیا۔ لیکن جس کی وجہ سے ان کے عقائد و نظریات کے اندر بگاڑ پیدا ہوگیا ہے چنانچہ آج کے یہ عرس' میلے' قبر پرستی و اکابر پرستی کے جملہ مظاہر و انداز' یہ تیجے اور چالیسویں' یہ غیر اللہ کی نذر و نیاز اور پکاریں' یہ گانا بجانا' شادی بیاہ اور خوشی غمی کے موقعوں پر فضول رسم و رواج کی پیروی' یہ سب اسی بنیادی بگاڑ کا شاخسانہ ہیں۔ گویا اللہ تعالیٰ نے ان کو علم کے باوجود گمراہی کے اندھیروں میں بھٹکنے کے لیے چھوڑ دیا ہے اس طرح ان کا علم' سماعت و بصارت اور دل و دماغ کی صلاحیتیں اللہ کے مقابلے ان کے کسی کام نہیں آرہی ہیں بلکہ الٹا کتاب و سنت کے روشن دلائل کے مقابلے میں یہ اپنے علم کے زعم باطل میں گرفتار ہوکر نت نئے فتنے اور مسائل اٹھا کر اپنے آپ کو مزید گمراہی کے اندر دھکیل رہے ہیں۔

ڈاکٹر رمضان صاحب کی تقریر کے بعد کراچی کے یعقوب علی صاحب نے مطالعہ حدیث کے عنوان سے اصول حدیث کی بنیادی اصطلاحات اور روایات کی اقسام کے بارے میں شرکاء اجتماع کو روشناس کرایا اور اس سلسلے میں تیار کردہ اسباق کی فوٹو سٹیٹ کاپیاں بھی ساتھیوں میں تقسیم کی گئیں تاکہ وہ اپنے طور پر ان کا مطالعہ کر کے ان کو سمجھنے' یاد کرنے اور اس طرح اپنی علمی استعداد کو بڑھانے کی کوشش جاری رکھیں۔ مطالعہ حدیث کے بعد کچھ دیر کے لیے وقفہ ہوا۔

وقفے کے بعد یکے بعد دیگرے تین تقاریر ہوئیں۔ سب سے پہلے گوجرانوالہ کے آصف بن نصیر صاحب نے سورۃ البقرۃ کی آیت وقالوا سمعنا و اطعنا..... کے حوالے سے سمع و طاعۃ کے موضوع پر تقریر کی۔ آصف صاحب نے مختصر وقت میں کتاب و سنت کے متعدد حوالہ جات سے سمع و طاعۃ یعنی اللہ اور اسکے رسول ﷺ اور صاحب امر کی اطاعت کے مفہوم اور دین میں اس کی اہمیت کو واضح کیا۔ جس کے مطابق ایمان اور اسلام کا لازمی تقاضا اطاعت و فرمانبرداری ہے۔ اطاعت' خوش دلی سے' بلا جبر و اکراہ' حسن نیت اور دلی آمادگی کے ساتھ تسلیم کرنے پیچھے چلنے اور پیروی کرنے کا نام ہے۔ اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کی اطاعت کو اپنی اطاعت اور محبت سے تعبیر کیا ہے۔ اور اہل ایمان کو واضح طور پر اس کا حکم دیا گیا ہے' جیسا کہ فرمایا:

یایھا الذین امنوا اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول و اولی الامر منکم فان تنازعتم فی شیء فردوہ الی اللہ والرسول ان کنتم تومنون باللہ والیوم الاخر۔۔۔۔۔ (النساء ۵۹)

من یطع الرسول فقد اطاع اللہ۔۔۔۔۔ (النساء ۸۰)

قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ ویغفر لکم ذنوبکم۔۔۔۔۔ (آل عمران ۳۱)

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے سمع وطاعۃ کی بنیاد پر اجتماعیت قائم کرنے کی تعلیم فرمائی ہے تاکہ ہجرت وجہاد فی سبیل اللہ کے مشکل مراحل سے گزرنے اور اس طرح دین کی اہم ترین ذمہ داریوں سے عہد برآ ہونے میں آسانی رہے۔ اسی طرح آپؐ نے امیر کی اطاعت کو اپنی اطاعت سے تعبیر کر کے اس کی اہمیت کو اجاگر فرمایا ہے۔ اس لیے ضرورت اس امر کی ہے کہ ہم قرآن کی اس آیت یایھا الذین امنوا ادخلوا فی السلم کافۃ کے مصداق پوری طرح اطاعت و فرمانبرداری میں داخل ہوں اور فرمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق اپنی خواہشات نفس کو شریعت کے تابع کریں۔ ہم میں سے ہر شخص اپنا جائزہ لے۔ نفس کی کیفیات پر اسکی نظر ہو اور خود احتسابی کے ذریعے دیکھیں کہ کہاں کہاں ہم سمع وطاعۃ کا تقاضا پورا کر رہے ہیں اور کہاں کمزوری و کوتاہی ہے۔ اپنے نفس کو نظم وضبط کا پابند بنانے کی آزمائش میں ڈالیں تاکہ دلوں کے کھوٹ اور میل کچیل کی صفائی ہو۔ ہمارے اندر فرض شناسی کا احساس اجاگر ہو اور ہمارے سیرت و کردار میں وہ بالیدگی پیدا ہو کر نمایاں ہو جو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت و فرمانبرداری اختیار کرنے کے نتیجے میں پیدا ہونی چاہیے۔

آصف صاحب کے بعد جوہر آباد کے ناظم فیاض محمود صاحب نے سورۃ الفاطر کی آیت ان الذین یتلون کتب اللہ واقاموا الصلوۃ و انفقوا مما رزقنھم سرا و علانیۃ یرجون تجارۃ لن تبور ○ ۔ کی روشنی میں دوسری تقریر کی فیاض محمود صاحب نے سورۃ الذاریات، الدھر، النبا اور النازعات کی آیات کے حوالے سے انسانی زندگی کے مقصد کو واضح کرتے ہوئے بیان کیا کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو عدم سے وجود بخشا ایک حقیر قطرے سے اسکی زندگی کا آغاز کیا پھر اسکو سماعت بصارت، عقل وشعور اور دیگر صلاحیتوں سے نوازنے کے بعد بندگی کی آزمائش میں ڈالا۔ اسکو صراط مستقیم کی طرف رہنمائی فرما کر اس بات کا اختیار دیا کہ چاہے تو اپنے خالق ومالک کی بندگی کے ذریعے اسکے احسانات کا شکر ادا کرے اور چاہے تو انکار کی روش پر گامزن ہو کر اپنے آپ کو اس کے عذاب کا مستحق بنا ڈالے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کی دنیوی زندگی کو آسان بنانے کے لیے اسکی تمام ضروریات کو پورا کرنے کا انتظام فرمادیا۔ زمین کو اس کے لیے بچھونا اور گہوارہ بنایا اور اس کے اوپر مضبوط آسمانوں کی چھت کھڑی کردی۔ سورج اور چاند کو اسکی خدمت میں لگادیا۔ بادلوں سے بارش کی صورت میں پانی برسا کر اسی زمین سے اس کے لیے مختلف اناج، پھل پودے اور گھنے باغات اگادیئے تاکہ وہ ایک مقررہ مدت تک ان سے فائدہ حاصل کرتا رہے اس مدت کے اختتام پر ایک دن مالک اس سیارے نظام کو درہم برہم کردے گا، جس دن تمام انسان گروہ در گروہ اللہ کی بارگاہ میں حاضر ہوں گے۔ وہ ان کے حساب کتاب اور فیصلے کا دن ہوگا۔ اس دن نافرمان اور سرکش جہنم کے حوالے کردیئے جائیں گے جہاں ان کو کھولتا ہوا گرم پانی اور پیپ پینے کے لیے دیا جائیگا۔ اسطرح ان کو ان کے اعمال کا پورا پورا بدلہ دیا جائیگا جبکہ اللہ کی نافرمانی سے اپنے آپ کو بچانے والے

کامیابی سے ہمکنار ہونگے اور ان کی پذیرائی کے لیے جنت میں بیشمار نعمتیں اور پر سکون ماحول ہوگا۔ جیسا کہ سورۃ النازعات میں فرمایا گیا۔ فاما من طغی واثر الحیوۃ الدنیا ○ فان الجحیم ھی الماوٰی ○ واما من خاف مقام ربہ ونھی النفس عن الھوٰی ○ فان الجنۃ ھی الماوٰی ○ (۳۷-۴۰)۔ اسی بات کی تعلیم مالک نے ابتدا آدم علیہ السلام کے ذریعے بنی نوع انسان کے لیے فرمائی تھی کہ جب میری طرف سے تمہارے پاس ہدایت آئیگی تو جو میری ہدایت کی پیروی کریگا اس کے لیے نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ غم۔ لیکن جو میری آیات کو جھٹلا کر کفر کی روش اختیار کریں گے انکا ٹھکانہ ہمیشہ کے لیے جہنم کی آگ ہوگا (البقرہ)۔ سورۃ الفاطر کی مذکورہ آیت : ان الذین یتلون کتب اللہ و اقاموا الصلوۃ وانفقوا مما رزقنھم ـــ میں انہی سنجیدہ افراد کا ذکر کیا گیا ہے جو فراموش کاری کے بجائے اپنے مقصد زندگی پر نظر رکھتے ہیں۔ اللہ کی کتاب کو ہدایت سمجھ کر اسکی تلاوت کرتے ہیں۔ اس میں بیان کردہ آثار کائنات اور آفاق و انفس کی نشانیوں پر غور و فکر کرتے ہیں' اسکی تعلیمات کو اچھی طرح سمجھنے اور ان سے رہنمائی حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور اس رہنمائی کی روشنی میں اللہ کی بندگی کا حق ادا کرتے ہیں' صلوۃ قائم کرتے اور اللہ کے دیئے ہوئے مال کو اسکی راہ میں پوشیدہ و ظاہر' ہر انداز سے خرچ کرتے ہیں۔ فرمایا یہ وہ خوش نصیب لوگ ہیں جو اللہ کی بارگاہ میں ایسی تجارت کے امیدوار ہیں جو نقصان سے دوچار ہونے والی نہیں۔ اللہ کے ہاں انکی محنت رائیگاں نہیں جائیگی' مالک اپنی راہ میں ان کی کوششوں کی قدردانی فرماتے ہوئے ان کو بھرپور اجر سے ہی نہیں بلکہ مزید اپنے فضل سے بھی نوازے گا۔ انہی کے بارے میں دوسری جگہ اسطرح ارشاد فرمایا گیا ہے الذین ینفقون اموالھم بالیل والنھار سرا و علانیۃ فلھم اجرھم عند ربھم ولا خوف علیھم ولا ھم یحزنون ○ (البقرہ)۔ اللہ کی راہ میں خرچ کرنے والوں کی مثال ایک دانے سے دی گئی ہے جس سے سات بالیں اگیں اور ہر بال میں سو سو دانے ہوں اسطرح اللہ اپنی راہ میں خرچ کرنے والوں کے مال کو جس قدر چاہتا ہے بڑھاتا ہے یعنی اپنی بارگاہ میں ان کے اجر و ثواب میں سات سو گنا بلکہ اس سے بھی زیادہ' جتنا چاہتا ہے اضافہ فرماتا ہے (البقرہ : ۲۶۱) ان کے برعکس وہ لوگ جو اپنے مال میں' جو اللہ نے اپنے فضل سے انہیں عطا فرمایا ہے' بخل سے کام لیتے ہیں ان کے بارے میں فرمایا کہ وہ اس بخل کو اپنے حق میں اچھا نہ سمجھیں وہ اچھا نہیں بلکہ ان کے لیے برا ہے اور وہ جس مال میں بخل کرتے ہیں قیامت کے دن وہ طوق بنا کر ان کی گردنوں میں ڈالا جائیگا (آل عمران : ۱۸۰) اس طرح انفاق سبیل اللہ کی اہمیت بیان کرتے ہوئے اسکی ترغیب دی گئی ہے۔ فیاض محمود صاحب کے بعد تیسری تقریر کفر بالطاغوت کے موضوع پر لاہور کے ساتھی اعجاز الرحمن صاحب کو کرنا تھی لیکن چونکہ وہ کسی عذر کی وجہ سے اجتماع میں شرکت کے لیے نہیں آسکے' اس لیے ان کی جگہ لاہور ہی کے ضرار لطیف صاحب نے اس موضوع پر تقریر کی۔ انہوں نے سورۃ البقرہ کی آیت لا اکراہ فی الدین ـــ کے حوالے سے اپنی تقریر کا آغاز کیا اور طاغوت کا مفہوم بیان کرتے ہوئے اس بات کو واضح کیا کہ کفر بالطاغوت یا رد طاغوت ایمان باللہ کی لازمی شرط اور انبیا علیھم السلام کی دعوت کا لازمی جزو ہے' جیسا کہ سورۃ البقرہ کی آیت مذکورہ ـــ فمن یکفر بالطاغوت ویومن باللہ ـــ اور سورۃ النحل کی آیت' ولقد بعثنا فی کل امۃ رسولا ان اعبدوا اللہ واجتنبوا الطاغوت ـــ سے ظاہر ہے اور یہی مطلب شھادتان لا الہ الا اللہ ـــ کا ہے۔ انہوں نے بتایا کہ کفر بالطاغوت معمولی بات نہیں' کلمے کا جزو ہے اور ہماری دعوت کا طرہ امتیاز۔ اسی کی نشاندہی اور وضاحت "ایمان خالص" (گھر کے چراغ) میں کی گئی ہے۔ طواغیت سے محبت و عقیدت نے اللہ کے دین کو

اجنبی بنا کر رکھدیا ہے اور اسی حوالے سے دیکھیں تو آج دین خالص کی یہ دعوت جس میں طاغوت کی نشاندھی کر کے اس کو رد کیا جاتا ہے اور خالص اللہ کی بندگی کی طرف بلایا جاتا ہے' اس ماحول میں ایک عجیب بات سمجھی جاتی ہے۔ بہر حال یہ ہمت وری اور جوانمردی کا کام ہے۔ بڑے بڑے دعویدار اسی میدان میں آکر حوصلہ ہار بیٹھے اور پیچھے ہٹ گئے۔ اللہ تعالیٰ عزم وہمت اور صبرواستقامت کی توفیق سے نوازے۔ آمین۔

ضرار لطیف صاحب کی جوشیلی اور جذبات کو گرما دینے والی تقریر کے بعد صلوٰۃ الظہر اور طعام کے لیے وقفہ ہوا وقفے کے بعد امیر تنظیم کے اختتامی کلمات پر یہ دو روزہ اجتماع عام اختتام پذیر ہوا۔

امیر تنظیم نے سورۃ آل عمران کے آخری رکوع کی ابتدائی آیات ان فی خلق السموات والارض واختلاف الیل والنھار..... انک لا تخلف المیعاد○ کے حوالے سے پروردگار عالم کے فضل وکرم اور نعمت دین پر شکر گزاری کے اظہار کے ساتھ بیان کیا کہ اللہ کے نبی علیہ السلام ان پسندیدہ آیات کو ہمیشہ قیام اللیل کے لیے اٹھتے وقت' نیند سے بیدار ہونے کے بعد آسمان کی طرف نگاہ ڈالتے ہوئے تلاوت فرماتے۔ مالک دوجہاں کی عظمت وکبریائی کے اعتراف اور اسکی بارگاہ عظیم میں جذبہ شکروسپاس کے اظہار کے لیے حقیقت یہ ہے کہ تخلیق ارض وسماوات' نظم کائنات اور دن رات کے مستقل بدلتے نظام میں غور وفکر کرنے والوں کے لیے' جنکی آنکھ حقیقت کو دیکھنے والی ہوتی ہے' جو اس عظیم کائنات کی تخلیق کے مقصد کو سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں اور جو صحیح معنوں میں لب والے ہیں' بڑی نشانیاں ہیں ۔اس غور وفکر کے نتیجے میں ان کے دلوں میں یہ احساس ابھرتا ہے کہ اتنی بڑی کائنات کو بے مقصد پیدا نہیں کیا گیا۔ یقیناً یہ سب کچھ ایک عظیم مقصد کے تحت اور ہمارے لیے آزمائش کا باعث ہے۔ اور وہ بطور اعتراف حقیقت' شکر گزاری کے جذبے سے مالک کی بارگاہ میں جھک پڑتے ہیں اور اپنی زبانوں کو اسکی تسبیح سے تر رکھتے ہیں۔ اس سے اپنی کوتاہیوں کی معافی' عذاب سے محفوظ رکھنے کی التجا اور ابرار کے ساتھ اپنے انجام کی درخواست کرتے ہیں۔ اللہ کی ذات پر ایمان' اسکی عظمت وکبریائی کا یقین ان کے اندر احساس ذمہ داری اور سنجیدگی پیدا کرتا ہے۔ اللہ کی بندگی کی طرف لگائی جانے والی پکار پر اعتماد کے ساتھ لبیک کہنے والے' اس کے ساتھ بندگی کا تعلق جوڑنے کے بعد اسی سے خیر کے طالب اور اسکی بارگاہ میں حاضری کے یقین واحساس سے لرزاں وترساں رہتے ہیں۔ مالک انہی کو چھانٹتا ہے اپنے دین کے لیے۔ اپنی کتاب کی آیات اور راہ حق میں آزمائشوں کے ذریعے انکی تعلیم وتربیت کا انتظام فرماتا ہے اور یہ خوشی کے ساتھ اس راہ میں پیش آنے والی ایذاؤں اور ہر طرح کے جور وستم کو انگیز کرتے ہیں' اللہ پر توکل وبھروسے اور اس سے اجر کی تمنا کے ساتھ۔ اللہ تعالیٰ اپنے ایسے مخلص اور سلیم الفطرت بندوں کی تمناؤں اور دعاؤں کی استجابت یعنی انکو شرف قبولیت بخشنے' ان کی لغزشوں سے درگزر فرمانے اور ان کو ابدی کامیابی اور نعمت بھری جنتوں میں داخلے کی صورت میں بہترین اجر وثواب سے نوازنے کا مژدہ جان فزا سناتا ہے۔ امیر تنظیم نے اس حوالے سے شرکاء اجتماع کو اپنے اندر احساس ذمہ داری کو مزید بڑھانے کی تلقین فرمائی تاکہ اللہ کے دین کے تقاضے کماحقہ پورے ہوں۔ دعوت دین لوگوں تک پہنچے کفر وشرک کی مقابلے میں ایمان کی روشنی پھیلے اور اس شمع فروزاں کی روشنی کو مزید آگے بڑھانے کی کوششیں تیز تر ہوں۔ اللہ کے دین کو سمجھ کر قبول کرنے والے ایسی تجارت کے خواہشمند ہوتے ہیں جس میں خسارہ نہیں ہوتا۔ اللہ ان کو

بھرپور اجر و ثواب اور اپنے فضل و کرم سے نوازنے کی ضمانت دیتا ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ اس زندگی کو آخرت کی کامیابی کا ذریعہ سمجھ کر اخلاص کے ساتھ مطلوبہ سعی وجہد کا اہتمام ہو۔ اللہ کی کتاب اس سلسلے میں بھرپور رہنمائی فرماتی ہے۔ ہمارے سامنے صحابہ کرامؓ کی زندہ مثال موجود ہے جو پستیوں سے اٹھ کر بلندیوں تک پہنچے۔ وہ اسکی دعوت کو سمجھنے والے تھے اور اسکی تعلیمات کی روشنی میں سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے سچے پیروکار تھے۔ ہم کو بھی کتاب و سنت کی رہنمائی میں دعوت کے تقاضوں کو پورا کرنا ہے۔ اپنے سیرت و کردار' انداز فکر' باہمی تعلقات' نظم وضبط اور سمع وطاعت کے مطلوبہ معیار پر پورا اترنے کی مخلصانہ کوشش کرنا ہے۔ اسطرح کے اجتماعات تعلیم و تربیت کا بہترین موقع فراہم کرتے ہیں ہم نے ایسے مواقع سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کرتے رہنا ہے۔ یہ پروردگار عالم کی ایک عظیم نعمت ہے کہ اس نے اس طرح دین خالص کی طرف ہماری رہنمائی فرمائی ہے۔ اب اس کی قدردانی کا حق ادا کرنا ہماری ذمہ داری ہے۔ یاد رکھئے! دنیا کی بہاریں' اس کی بہاروں کو ثبات نہیں' خزاں کے انگارے ان پر برس کے رہیں گے۔ اصل کامیابی آخرت کی کامیابی اور مالک کی رضا وخوشنودی کے حصول میں ہے۔ جو ہمارے پیش نظر رہنا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی طرف بڑھنے کی توفیق دے اور ہمارے دلوں میں اس کا ذوق وشوق پیدا فرمائے۔ ہماری ان حقیر کاوشوں کو شرف قبولیت دے کر بار آور فرمائے۔ اس اجتماع کے میزبان ساتھیوں کی خدمات کو ان کے لئے بہترین اجر و ثواب کا ذریعہ بنائے! آمین۔

امیر تنظیم کے اختتامی کلمات کے بعد شرکاء اجتماع ایک دوسرے سے الوداع ہو کر اپنے اپنے علاقوں کی طرف روانہ ہوئے۔

(ج) امیر تنظیم کا دورہ سرحد و آزاد کشمیر

امیر تنظیم کے اس تفصیلی دورے کا پروگرام اس سے قبل ستمبر ۱۹۹۳ء میں ہوا تھا' اس طرح کے دورے سے جہاں ملک کے دور دراز علاقوں میں رہائش پذیر تحریکی ساتھیوں سے رابطہ و ملاقات کے ذریعے ان علاقوں میں دعوتی سرگرمیوں اور مقامی طور پر ساتھیوں کے مسائل سے آگاہی ہوتی ہے وہاں بہت سے مقامات پر تقاریر اور سوال وجواب کے ذریعے دعوت و تبلیغ کے علاوہ بعض مرکزی مقامات پر ایک روزہ اجتماعات کے دوران ہلکے پھلکے تربیتی پروگرام بھی ہو جاتے ہیں۔ جن میں مقامی ساتھیوں کے علاوہ دوسرے علاقوں سے آنے والے ساتھی بھی شریک ہوتے ہیں' اس طرح مجموعی طور پر دورے کے اس پروگرام سے ساتھیوں کے درمیان باہمی ربط و تعلق' ایک دوسرے کے حالات و مسائل سے واقفیت اور ان کے حل کے لیے غور و فکر اور منصوبہ بندی' دعوتی تقاریر اور سوال وجواب کے ذریعے ضروری معلومات و رہنمائی' نیز دینی اجتماعیت کے تعلق سے ان ساتھیوں کی تعلیم و تربیت کا موقع ملتا ہے۔ اس لیے حالات و مسائل کے مطابق مناسب وقفوں سے دورے کے یہ پروگرام ترتیب دیے جاتے ہیں۔

اس دورے کا آغاز تحصیل ٹانک (ڈیرہ اسماعیل خاں) کے گاؤں ملازئی سے ہوا۔ چنانچہ ۲۹ مئی بروز منگل امیر تنظیم سات افراد پر مشتمل قافلے کے ساتھ صلوٰۃ الفجر کے بعد مسجد توحید ناظم آباد کراچی سے بذریعہ ویگن روانہ ہوئے اور رات کو ترنڈہ محمد (رحیم یار خاں) میں حکیم محمد رمضان صاحب کے ہاں قیام کے بعد اگلے دن مغرب کے بعد ملازئی کے ناظم ابوہشام صاحب کے ہاں پہنچے۔ طعام و صلوٰۃ العشاء

کے بعد مقامی مسجد میں کراچی کے ساتھی اور مرکزی شوریٰ کے رکن محمدی گل صاحب نے سورۃ البقرہ کے تیسرے رکوع کی ابتدائی آیات پر مشتمل پشتو میں درس قرآن دیا اور سامعین کے سامنے اللہ کی بندگی کے مفہوم کو واضح کیا جس کے لیے بنی نوع انسان کو پیدا کیا گیا ہے اور ان آیات میں اللہ وحدہ لا شریک کے احسانات کے حوالے سے سارے انسانوں کو جس کی دعوت دی گئی ہے کہ وہ اپنے رب کی عبادت کریں جس نے ان کو پیدا کیا ہے' جو آسمان کو بلند کرنے اور زمین کو بچھانے والا ہے' ہواؤں کا چلانے والا' آسمان سے بارش کی صورت میں پانی اتار کر ان کے رزق اور تمام ضروریات کا انتظام کرنے والا ہے' یہ سب اس کی کار فرمائی ہے کوئی اور اس کے اندر اس کا پارٹنر اور شریک نہیں ہے۔ اس لیے اس کی بندگی' اس کے بیشمار احسانات کی شکر گزاری کا تقاضا یہ ہے کہ انسان اپنے عظیم رب کی بڑائی اور برتری کو تسلیم کر کے اس کی بارگاہ میں جھک جائے۔ کسی کو اس کا ند اور ہمسر نہ بنائے اور یہی اس کا مطالبہ ہے اپنے بندوں سے کہ وہ کسی کو اس کا ساجھی و شریک نہ ٹھہرائیں۔ کسی کو اس کے مقابلے میں داتا' دستگیر' بگڑی بنانے والا' کشتی کو پار لگانے والا' فائدہ اور نقصان دینے والا' غیب کا علم رکھنے والا اور فریاد رسی کرنے والا' غوث اور غوث الاعظم نہ مانیں۔ یہی شرک ہے جو اللہ کے نزدیک ناقابل معافی جرم اور ظلم عظیم ہے۔ محمدی گل صاحب کے درس قرآن کے بعد امیر تنظیم نے سامعین کے سوالات کے جواب دیئے۔ ملازئی میں قیام شب کے بعد ۱۸ مئی کو بعد صلوٰۃ الفجر پہلے امیر تنظیم نے سورۃ یٰسین کے حوالے سے اردو میں مختصر خطاب کیا اور پھر کراچی کے شرافت اللہ صاحب نے ذرا تفصیل سے درس دیا۔ بعد ازاں ناشتے وغیرہ سے فارغ ہو کر ملازئی سے پیبی (ضلع پشاور) کے لیے روانگی ہوئی اور خاصا طویل سفر کرنے کے بعد عصر سے قبل مسجد توحید پبی پہنچ گئے۔ چونکہ پبی میں خطاب کا پروگرام مغرب کے بعد طے تھا اس لیے صلوٰۃ العصر کے بعد امیر تنظیم نے مقامی محلے کے لوگوں کے سامنے' جو کافی تعداد میں آ گئے تھے' دین کی دعوت پیش کی اور انہیں قرآن و حدیث کی تعلیمات کے مقابلے میں مولوی و پیر کے مکرو فریب سے آگاہ کیا۔ اس دوران انہوں نے سامعین کے بعض سوالات کے جواب بھی وضاحت کے ساتھ دیئے۔

صلوٰۃ المغرب کے بعد مسجد توحید پیبی میں محمدی گل صاحب نے سورۃ الکہف کے آخری رکوع کی آیات کے حوالے سے دعوتی انداز پر پشتو میں خطاب کیا۔ جس کو بڑی دلچسپی اور توجہ کے ساتھ سنا گیا۔ بعد ازاں سرحد کے امیر عمر خطاب صاحب نے پشتو میں سامعین کے سوالوں کے جواب دیئے۔ صلوٰۃ العشاء اور کھانے سے فارغ ہو کر خوشگی کے لیے روانگی ہوئی۔ خوشگی چونکہ صوبہ سرحد کا مرکز ہے اس لیے وہاں پر ۱۹ مئی بروز جمعہ کو پورے دن کا اجتماع رکھا گیا تھا۔ چنانچہ ۱۸ مئی کی شام سے ہی سرحد کے بعض دوسرے علاقوں کے علاوہ لاہور' راولپنڈی وغیرہ سے بھی کچھ ساتھی آنا شروع ہو گئے تھے۔ عشاء کے قریب تقریباً بیس افراد پر مشتمل کراچی سے ایک اور قافلہ بھی بذریعہ ریل سفر کر کے پہنچ گیا۔ امیر تنظیم کراچی اور سرحد کے کچھ ساتھیوں کے ہمراہ پیبی میں پروگرام کرنے کے بعد رات کو ساڑھے دس بجے کے قریب خوشگی پہنچے۔

۱۹ مئی بروز جمعہ صلوٰۃ الفجر کے بعد کراچی کے شرافت اللہ صاحب نے سورۃ الاحقاف کی ابتدائی آیات پر مشتمل پشتو میں درس قرآن دیا۔ جس کے بعد اشراق و ناشتے کے لیے وقفہ ہوا۔ وقفے کے بعد راولپنڈی کے ساتھی خلیل الرحمٰن صاحب نے وضاحت سے تجوید کے بنیادی اصول بیان کئے اور پھر ان کے مطابق شرکاء اجتماع کو قراءت القرآن کی مشق کرائی۔ تجوید کے بعد لاہور کے خالد محمود بخاری صاحب

نے فتنہ انکار حدیث کے تعلق سے تفصیلی خطاب کیا اور حدیث رسولؐ کی اہمیت کو بیان کرتے ہوئے منکرین حدیث کے بعض مغالطوں کا پوسٹ مارٹم کیا۔ انہوں نے غلام احمد پرویز کی طرف سے حدیث کو تاریخ ظنی قرار دینے اور حدیث کے تین سو سال بعد لکھے جانے کے بے بنیاد دعووں اور غلط تاثرات کی پر زور تردید کی اور حدیث کو جمع کرنے' اس کی ترتیب و تدوین کے سلسلے میں صحابہ کرامؓ اور محدثین کی کاوشوں کا تاریخی پس منظر کی روشنی میں ذکر کیا کہ کس طرح صحابہ کرامؓ نے احادیث رسولؐ کو سن کر یاد رکھنے' بیان کرنے اور لکھ کر محفوظ کرنے کا اہتمام کیا اور پھر بعد کے دور میں محدثین نے اسناد کی چھان پھٹک کے لیے جرح و تعدیل اور اسماء الرجال کے علم کو رواج دیا جو تاریخ میں ایک نادر مثال ہے۔ محدثین نے اس کے لیے اور اس بنیاد پر احادیث کی ترتیب و تدوین کے لیے زندگیاں وقف کردیں اور یہ ان کی محنت و مشقت کا نتیجہ ہے کہ نبی علیہ السلام کی تعلیمات "آپؐ کے اور صحابہؓ کے دور کی مستند تاریخ اس طرح مرتب اور مدون ہو کر دنیا کے سامنے آگئی ہے۔ اس کی دینی اہمیت اور قدر و قیمت کی وجہ سے دشمنان دین نے اس کی نقل بھی تیار کی۔ جھوٹی روایات سے حدیث رسولؐ میں آمیزش کی کوشش کی گئی لیکن محدثین کی عظیم خدمات اور کاوشوں نے اس سازش کا راستہ روک دیا اور غلط و صحیح کو پرکھنے کے لیے ایسے مستند معیارات قائم کردیے جس سے یہ سازش ناکام ہو کر رہ گئی۔ اس لیے حدیث رسولؐ کے بارے میں منکرین حدیث کی طرف سے دیے جانے والے مغالطوں کی کوئی جڑ اور بنیاد نہیں۔

خالد محمود صاحب نے قرآنی آیات کے حوالے سے بتایا کہ قرآن کی تشریح و تبیین منصب رسالت کا اہم ترین فریضہ ہے۔ قرآن خود حدیث کی اہمیت اور تشریحی حیثیت کا تعین کرتا ہے۔ حدیث رسولؐ کو نظر انداز کردیا جائے تو قرآنی تعلیمات کے مطابق اہم ترین دینی فرائض اور عبادات کی ادائیگی ممکن نہیں رہتی۔ چنانچہ منکرین حدیث اصل میں منکرین قرآن ہیں۔ یہ آزاد فکر کے حامل حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پیچھا چھڑانے کے بعد بالکل ہی آزاد ہو جانا چاہتے ہیں تاکہ اس کے بعد یہ جس طرح چاہیں قرآن کی تشریح بیان کریں۔ پھر جو چاہے اقیموا الصلوٰۃ کے معنی نظام ربوبیت کو قائم کرنا بیان کرے اور کوئی من چلا اسے پریڈ سے تعبیر کرے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے بڑے بڑے علامہ صاحبان سرسید اور غلام احمد پرویز وغیرہ جنات' ملائکہ' معجزات اور قرآن میں بیان کی گئی بعض دوسری باتوں کی ایسی عجیب و غریب تعبیریں بیان کرتے ہیں جن کے بودے پن کو محض سرسری طور پر قرآن کا مطالعہ کرنے والا شخص بھی محسوس کرسکتا ہے۔

خالد محمود صاحب کی تقریر کے بعد امیر تنظیم نے مذاکرے کے انداز پر فتنہ انکار حدیث کے حوالے سے بعض مسائل مثلاً کذب ثلاثہ' سحر اور رفع عیسیٰؑ کے بارے میں مختصراً وضاحت کی جن کو منکرین حدیث قرآن و حدیث کی تعلیمات سے الگ کر کے محض جذباتی اپیل کے طور پر اچھالتے ہیں اور اس طرح لوگوں کو دھوکہ دینے کی کوشش کرتے ہیں۔ امیر تنظیم نے کتاب و سنت کے ٹھوس دلائل اور محکم حوالہ جات کی روشنی میں ان مسائل کی وضاحت کی اور اس سلسلے میں سامعین کے سوالات کے تفصیلی جواب دیے۔ اس کے بعد صلوٰۃ الجمعہ کی تیاری کے لیے وقفہ ہوا جس کے دوران امیر تنظیم نے مقامی شوریٰ کی میٹنگ میں شرکت کی۔

صلوٰۃ الجمعہ سے قبل محمد گل صاحب نے سورۃ الانعام کی آیت ان الذین فرقوا دینھم وکانوا شیعا لست منھم فی شئی کے

حوالے سے پشتو میں خطاب کیا اور قرآن و حدیث کے مقابلے میں فرقہ و مسلک پرستی پر مبنی رائج الوقت دین کی حیثیت کو ان فرقوں اور مسالک کے عقائد کی روشنی میں واضح کیا۔ امیر تنظیم نے جمعہ کا خطبہ دیا اور صلوٰۃ الجمعہ کی امامت کی۔ صلوٰۃ الجمعہ کے بعد کھانے کا وقفہ ہوا۔ بعد ازاں امیر تنظیم نے ابراہیم علیہ السلام کے انداز بندگی اور اللہ کی راہ میں ان کی قربانیوں کے حوالے سے مختصر خطاب کے دوران ساتھیوں کو تقوے کے معیار کو بڑھانے کی تلقین کی۔ کتاب و سنت سے رہنمائی حاصل کرنے کے لیے ان کے مطالعے پر زور دیا۔ اور پھر سامعین کے سوالوں کے جواب دیے۔ سوال و جواب کے بعد چائے اور صلوٰۃ العصر کیلئے وقفہ ہوا۔ صلوٰۃ العصر کے بعد امیر تنظیم چند ساتھیوں کے ہمراہ چارسدہ کے نزدیک شاہبزہ کے لیے روانہ ہوئے۔

مسجد توحید شاہبزہ میں صلوٰۃ المغرب کے بعد محمدی گل صاحب نے سورۃ المومنون کے آخری رکوع کی آیات پر مشتمل درس قرآن دیا۔ جس میں انہوں نے اہل ایمان کی صفات کے حوالے سے واضح کیا کہ ایک مومن کی زندگی کا انداز کیا ہونا چاہیے۔ اور پھر متعلقہ آیات کی روشنی میں برزخ کے بارے میں وضاحت کی کہ مرنے کے بعد ایک دوسرا عالم ہے جس میں انسانی روح موت کے بعد اس جسم سے تعلق منقطع ہوجانے کے بعد چلی جاتی ہے۔ پھر اس کا اس جسم یا دنیاوی قبر سے قیامت تک کوئی تعلق نہیں رہتا۔ اس لیے موت کے وقت جب انسان پر اصل حقیقت واضح ہوتی ہے تو وہ افسوس کرتا ہے کہ کاش اس نے اپنی ذمہ داری کا احساس کرتے ہوئے اللہ کی بندگی کا حق ادا کیا ہوتا۔ اس لیے دنیا میں پھر پلٹائے جانے اور ایک موقع دیے جانے کی درخواست کرتا ہے تاکہ اب جاکر نیک عمل اختیار کر کے بد انجامی سے بچ سکے۔ لیکن اسوقت کا یہ افسوس اور چیخ و پکار اس کے کسی کام نہیں آتی۔ اور قیامت تک بدن اور روح کی جدائی یعنی موت کا فیصلہ سنا دیا جاتا ہے۔ محمدی گل صاحب کے درس کے بعد کھانے اور صلوٰۃ العشاء کیلئے وقفہ ہوا۔ بعد ازاں صوبہ سرحد کے امیر عمر خطاب صاحب نے پشتو میں سامعین کے سوالات کے جواب دیے اور بعض مسائل کی قرآن و حدیث کی روشنی میں وضاحت کی۔ اس طرح شاہ بزہ میں مختصر پروگرام کے اختتام پر امیر تنظیم و دیگر ساتھی واپس خوبنگی روانہ ہوئے اور تقریباً گیارہ بجے شب خوبنگی پہنچے۔

۳۰ مئی کو صلوٰۃ الفجر کے بعد کراچی کے شرافت اللہ صاحب نے سورۃ ھود کے پانچویں رکوع کی ابتدائی آیات کے حوالے سے درس قرآن دیا اور انبیاء علیہم السلام کی دعوت کے تعلق سے واضح کیا کہ ان کی دعوت کا مشن کیا ہوتا ہے۔ وہ قوم کے سامنے ایک ہی مطالبہ رکھتے ہیں کہ اللہ کی بندگی اختیار کرو اور شرک و طاغوت پرستی سے اجتناب کرو۔ ایک ہی دعوت اور ایک ہی پکار کہ لوگو! اللہ کی بندگی اختیار کرو اس کے علاوہ تمہارا کوئی الٰہ و معبود نہیں۔ یہاں تک کہ اللہ کی نبی یوسف علیہ السلام نے جیل کے اندر بھی اپنے قیدی ساتھیوں کے سامنے یہی دعوت پیش کی۔ شرافت اللہ صاحب کے درس کے بعد اشراق و ناشتے کے لیے وقفہ ہوا جس سے فارغ ہونے کے بعد ایک بس اور کراچی سے آنے والی ویگن کے ذریعے تقریباً آٹھ بجے صبح مدین (سوات) کے لیے روانگی ہوئی۔

۳۰ مئی کو صبح آٹھ بجے خوبنگی سے روانہ ہو کر تقریباً تین بجے سب ساتھی مدین پہنچ گئے۔ مدین سے مقامی ساتھیوں کے ہمراہ ایک گھنٹہ پیدل سفر کر کے قریبی گاؤں میں پہنچے جہاں مغرب کے بعد پروگرام طے تھا۔ گاؤں میں پہنچ کر سب سے پہلے مسافر ساتھیوں نے صلوٰۃ الظہر ادا کی پھر عصر سے قبل وقت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے امیر تنظیم نے ساتھیوں کو کچھ مسنون دعائیں یاد کرائیں۔ صلوٰۃ العصر اور چائے

سے فارغ ہونے کے بعد باہمی تعارف کی نشست ہوئی جس کے دوران ساتھیوں نے فرداً فرداً کھڑے ہو کر اپنا تعارف کرایا اور یہ سلسلہ مغرب تک جاری رہا۔ صلوٰۃ المغرب کے بعد محمد گل صاحب نے مقامی محلے کی مسجد میں سورۃ البقرہ کی آیات **یایھا الناس اعبدوا ربکم الذی خلقکم ...... وانتم تعلمون** ○ کے حوالے سے تفصیلی خطاب کیا اور لوگوں کے سامنے قرآن کی بنیادی دعوت پیش کی جو ساری انسانیت کو دی گئی ہے اور جس کو اپنے اپنے دور میں تمام انبیاء علیہم السلام نے اپنی قوموں کے سامنے پیش کیا تھا۔ کہ شرک اور طاغوت پرستی سے بچتے ہوئے رب کائنات کی بندگی اختیار کی جائے۔ محمد گل صاحب کی تقریر کے بعد صلوٰۃ العشاء اور کھانے سے فارغ ہو کر ساتھیوں نے وہیں قیام شب کیا۔

۲۱ مئی کو صلوٰۃ الفجر کے بعد دیر وسوات کے ناظم چراغ زمین صاحب نے سورۃ التوبہ کی آیات ۲۳، ۲۴ پر مشتمل درس قرآن دیا جس میں انہوں نے دنیوی رشتوں سے محبت و دوستی جبکہ وہ آخرت پر دنیا اور ایمان پر کفر کو ترجیح دینے والے ہوں، اور اسی طرح دنیا کے عارضی مفادات اور دیگر دلچسپیوں کے مقابلے میں اللہ اور اس کے رسول سے وابستگی اور اللہ کی راہ میں جہاد کی اہمیت کو واضح کیا اور ایماندار ساتھیوں کو ایمان کے تقاضے کے طور پر ان کی ذمہ داریوں کا احساس دلایا۔ بعد ازاں اشراق و ناشتے وغیرہ سے فارغ ہو کر مقامی ناظم امیر مقام صاحب اور دوسرے ساتھیوں کے ہمراہ مدین پہنچے جہاں سے کتیاڑی (دیر) کے لیے روانگی ہوئی۔ مدین سے روانہ ہو کر امیر تنظیم اور کچھ ساتھی تقریباً بارہ بجے کتیاڑی پہنچ گئے جبکہ دیگر ساتھی دو تین گھنٹے کی تاخیر سے پہنچے۔

کتیاڑی دیر میں ہمارا بڑا مرکز ہے۔ جس کو مرکزی حیثیت حاصل ہے۔ دیر وسوات کے ناظم چراغ زمین صاحب یہیں کے رہنے والے ہیں۔ یہاں پر ہمارے کافی ساتھی ہیں جو الحمدللہ! دلچسپی اور سرگرمی کے ساتھ دعوت دین کے کام کو آگے بڑھا رہے ہیں۔ کتیاڑی میں ایک بڑی مرکزی مسجد ہے اس کے علاوہ قرب وجوار میں شاہان اور بیری کے مقامات پر دو اور مساجد بھی ہیں۔ کتیاڑی پہنچنے کے بعد امیر تنظیم چند ساتھیوں کے ہمراہ مسجد توحید بیری گئے جہاں مقامی ساتھیوں سے ملاقات اور مختصر قیام کے بعد واپس کتیاڑی چلے آئے چونکہ کتیاڑی کے اجتماع میں سب ساتھیوں کو شریک ہونا تھا۔ صلوٰۃ العصر کے بعد کتیاڑی کے مین بازار میں دعوت الی اللہ کا پروگرام تھا اس لیے تمام ساتھی امیر تنظیم کے ساتھ دعوت الی اللہ کے لیے نکلے۔ اگرچہ اس دوران بارش بھی شروع ہو گئی تھی لیکن اس کے باوجود دعوت الی اللہ کا پروگرام ہوا۔ محمد گل صاحب نے پشتو میں بڑے موثر انداز میں لوگوں کے سامنے اللہ کی بندگی کی دعوت پیش کی جس کو توجہ سے سنا گیا۔

صلوٰۃ المغرب کے بعد مسجد توحید کتیاڑی میں باہمی تعارف کی نشست ہوئی۔ جس میں پہلے امیر تنظیم نے تمہیدی کلمات کے ذریعے کتاب وسنت کے حوالے سے ایماندار ساتھیوں کے درمیان تعلقات اور باہمی میل جول کی اہمیت پر روشنی ڈالی اور پھر ساتھیوں نے فرداً فرداً اپنا تعارف پیش کیا۔ صلوٰۃ العشاء کے بعد محمد گل صاحب نے سورۃ العنکبوت کے پانچویں رکوع کی ابتدائی آیات کے حوالے سے خطاب کیا۔ اور بتایا کہ اس سورۃ میں اللہ کے مقابلے میں اس کی مخلوق کو کارساز۔ داتا، دستگیر اور مشکل کشا بنانے والوں اور ان کے کفر و شرک پر مبنی باطل عقائد سے مربوط دین کی مثال مکڑی کے جالے سے دی گئی ہے۔ جس کو وہ بڑی محنت اور جانفشانی سے بناتی ہے لیکن اس کی کمزوری کا یہ عالم ہے کہ ہوا کا ایک جھونکا اس کو توڑ پھوڑ کر رکھ دیتا ہے۔ یہی حال ہے ان شرکیہ عقائد اور باطل نظریات سے عبارت

اس رائج الوقت بے دلیل دین کا ' اللہ پر ایمان اور دین خالص کے مقابلے میں جو کتاب وسنت کے محکم دلائل اور آفاق وانفس کی روشن آیات پر غور و فکر کے نتیجے میں قبول کیا جاتا ہے اور پھر دنیا و آخرت میں بہتر انجام کے اعتبار سے اجر وثواب اور سرفرازی و کامیابی کا باعث ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کفر بالطاغوت کے بعد قبول کیے جانے والے ایمان کے بارے میں فرمایا گیا کہ وہ محکم اساس پر قائم ایک مضبوط حلقہ ہے جو ٹوٹنے والا نہیں۔ محمدی گل صاحب کی تقریر کے بعد میزبان ساتھیوں نے سامعین کو چائے پلائی جس کے بعد ساتھی سو گئے۔

۲۲ مئی کو صلوٰۃ الفجر کے بعد امیر تنظیم نے سورۃ المومنون کی ابتدائی آیات پر مشتمل درس قرآن دیا جس میں قرآن و حدیث کے حوالوں سے اہل ایمان کی صفات کو واضح کرتے ہوئے اس بات کی ترغیب دی گئی کہ کتاب وسنت کی رہنمائی میں ان صفات کو اپنا کر سیرت و کردار میں بالیدگی پیدا کرنے کی کوشش کی جائے تاکہ صحیح معنوں میں اللہ کی بندگی کا حق ادا ہو سکے۔ ہماری صلوٰۃ اور جملہ عبادات ' ہمارا رہن سہن ہمارا رویہ و طرز عمل ہمارے معاملات غرض ہماری پوری زندگی اللہ کی بندگی کے رنگ میں رنگی اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی پیروی کا مظہر ہو۔ اس طرح دنیا میں ہمارا سیرت و کردار ہماری دعوت سے ہم آہنگی اور آخرت میں اللہ کی بارگاہ میں مقبول اور سرخروئی کا باعث ہو۔ امیر تنظیم کے درس کے بعد اشراق اور ناشتے کے لیے وقفہ ہوا۔ اشراق و ناشتے سے فارغ ہو کر تمام ساتھی امیر تنظیم کی معیت میں پیدل شاہان کے لیے روانہ ہوئے اور تقریباً آدھا گھنٹہ سفر کر کے شاہان پہنچے۔ مسجد توحید شاہان میں دو رکعت تحیۃ المسجد ادا کرنے کے بعد ساتھی مسجد میں بیٹھ گئے۔ اس موقع پر امیر تنظیم نے چیدہ چیدہ ساتھیوں سے سفر کے دوران یاد کرائی گئی مسنون دعائیں سنیں اور ان کو اچھی طرح پڑھنے اور یاد رکھنے کی تلقین کی۔ پھر امیر تنظیم نے ساتھیوں کو تجوید کے اصول سکھائے اور قرات القرآن کی مشق بھی کرائی۔

اس کے بعد پروگرام کے مطابق سورۃ الزمر کے آخری رکوع کی آیات پر مشتمل فہم القرآن کے سلسلے میں چار تقاریر رکھی گئی تھیں لیکن مقامی ساتھیوں کے اصرار پر انہی آیات کے حوالے سے محمدی گل صاحب کا خطاب ہوا۔ انہوں نے جنتی اور جہنمی گروہوں کے بارے میں دنیا کی زندگی میں ان کے طرز عمل اور صفات کے حوالے سے وضاحت کی اور بتایا کہ اگر ہم نے اللہ کی بندگی کے لیے قرآن و حدیث کے مطابق اپنا عقیدہ بنایا اور اس پر قائم رہے تو انشاء اللہ ہمارا ٹھکانہ جنت اور اس کی لازوال نعمتیں ہوں گی اور اگر عقیدہ مولوی اور پیر کی پیروی میں بنایا گیا تو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے جہنم کی آگ میں ڈال دیا جائے گا جہاں سے کبھی چھٹکارا ممکن نہ ہو گا۔ محمدی گل صاحب کی تقریباً ایک گھنٹہ کی تقریر کے بعد امیر صوبہ سرحد عمر خطاب صاحب نے پشتو میں سامعین کے سوالوں کے جواب دیے۔ بعد ازاں مقامی ساتھی و ناظم جانان صاحب کے ہاں ساتھیوں نے کھانا کھانے کے بعد تمام ساتھی مسجد توحید کتیاڑی واپس آ گئے۔ جہاں سے صلوٰۃ الظہر کے بعد گڑھی عثمان خیل (درگئی) کے لیے روانہ ہوئے راستے میں امیر تنظیم چند ساتھیوں کے ہمراہ مالاکنڈ کے ساتھی رحیم اللہ صاحب کے گاؤں سبحان آباد میں مقامی ساتھیوں سے ملاقات اور بات چیت کے لیے کچھ دیر رکے۔ اور شام چھ بجے کے قریب مسجد توحید گڑھی عثمان خیل پہنچے جبکہ زیادہ تر ساتھی کافی پہلے پہنچ گئے تھے اس طرح ان کو آرام کے لیے کچھ وقت مل گیا تھا جس سے انہوں نے فائدہ اٹھایا۔

صلوٰۃ المغرب کے بعد میزبان ساتھیوں کی طرف سے کھانے کا انتظام تھا۔ صلوٰۃ العشاء کے بعد کراچی کے شرافت اللہ صاحب نے

سورۃ الفاطر کے تیسرے رکوع کی آیات کے حوالے سے خطاب کیا جسکے بعد شوریٰ کی میٹنگ ہوئی۔ ۲۳ مئی کو صلوٰۃ الفجر کے بعد محمدی گل صاحب نے سورۃ الاعراف کے بارہویں رکوع کی آیات پر مشتمل درس قرآن دیا۔ اشراق و ناشتے سے فارغ ہو کر سوال و جواب کا سلسلہ شروع ہوا جو بہت دیر تک جاری رہا۔ امیر تنظیم نے حاضرین کے سوالوں کے بڑی وضاحت سے جواب دیئے۔ سوال و جواب کے اختتام پر تھوڑی دیر کے لیے وقفہ ہوا۔ بعد ازاں امیر تنظیم نے شرکاء کے سامنے حدیث کی تعریف دین میں اس کی اہمیت کے ساتھ ساتھ فتنہ انکار حدیث کا پس منظر بیان کیا اور پھر اسی تناظر میں منکرین حدیث کی طرف سے اٹھائے جانے والے بعض مسائل مثلاً سحر، رفع عیسیٰ وغیرہ کے سلسلے میں قرآن و حدیث کے حوالوں سے وضاحت کی۔ جس سے ساتھیوں نے کافی استفادہ کیا۔

اس کے فوراً بعد امیر تنظیم نے مطالعہ حدیث کے سلسلے میں مشکوٰۃ سے کتاب الصلوٰۃ (باب السنن و فضائلھا) کی کچھ احادیث پڑھ کر ان کی تشریح بیان کی اور سامعین کو پانچ اوقات کی صلوٰۃ اور صلوٰۃ الجمعہ میں ادا کی جانے والی رکعتوں کی تعداد کے بارے میں وضاحت کے ساتھ بتایا۔ اس طرح یہ پروگرام بھی ساتھیوں کے لیے خاصا معلومات افزا تھا۔ کرمی عثمان خیل میں دن کے کھانے اور صلوٰۃ الظہر سے فارغ ہونے کے بعد امیر تنظیم نے بطور اختتامی کلمات سورۃ آل عمران کی آیات کنتم خیر امۃ اخرجت للناس...... کے حوالے سے ساتھیوں کو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی اہم ترین ذمہ داری کا احساس دلاتے ہوئے اپنے آپ کو اس کے لیے پوری طرح تیار کرنے کی تلقین فرمائی۔ ہماری زندگی کا انداز کیا ہو۔ آپس کے تعلقات، اپنے بھائیوں کے لیے ہمارے کیا جذبات ہونے چاہیں یہ ساری چیزیں ہمارے پیش نظر رہنی چاہیں۔ امیر تنظیم کے اختتامی کلمات کو مقامی ساتھیوں کے اصرار پر امیر سرحد عمر خطاب صاحب نے پشتو زبان میں دہرایا۔ جس کے بعد تقریباً ساڑھے تین بجے کرمی عثمان خیل سے تنجزانو کلے کی طرف روانہ ہوئے۔ تنجزانو کلے پہنچ کر ساتھیوں نے حسب معمول غسل وغیرہ کیا۔ صلوٰۃ العصر ادا کی۔ اور پھر باہمی طور پر تبادلہ خیال، مقامی ساتھیوں سے تعارف و گفتگو وغیرہ میں مشغول رہے۔ صلوٰۃ المغرب کے بعد کھانے وغیرہ سے فارغ ہوئے اور صلوٰۃ العشاء کے بعد محمدی گل صاحب نے مقامی ساتھیوں کی خواہش کے مطابق سورۃ المومنون کی آیات ۹۹ تا ۱۰۰ کے حوالے سے عذاب قبر کے عنوان پر پشتو میں تقریر کی اور کتاب و سنت کے دلائل سے عذاب قبر کے مسئلے کی وضاحت کی۔ انہوں نے تقریر کے آغاز میں مومنوں کی صفات کو بھی بیان کیا۔ محمدی گل صاحب کی تقریر کو بڑی توجہ سے سنا گیا اور مقامی طور پر کئی ساتھیوں نے اس کو ریکارڈ بھی کیا۔ بعد ازاں اس عنوان کے تعلق سے سامعین کے سوالوں کے پشتو میں جواب دیئے گئے۔ جس سے بہت سے مسائل و اشکالات کی مزید وضاحت ہوئی۔

۲۴ مئی کو صلوٰۃ الفجر کے بعد کراچی کے شرافت اللہ صاحب نے سورۃ یونس کے آخری رکوع کی آیات پر مشتمل درس قرآن دیا۔ اور دعوتی انداز میں بڑا موثر خطاب کیا جس کو مقامی ساتھیوں اور دیگر سامعین نے بہت سراہا۔ اشراق و ناشتے سے فارغ ہو کر باہمی تعارف کی نشست ہوئی۔ تعارف کے دوران عمر خطاب صاحب نے بعض ساتھیوں کی سہولت کے لیے اردو، پشتو ترجمان کے فرائض بھی انجام دیئے۔ اس کے بعد تقریباً آٹھ بجے صبح تمام ساتھی امیر تنظیم کے ساتھ مردان شہر کی طرف روانہ ہوئے جہاں دعوت الی اللہ کا پروگرام تھا۔ مردان شہر میں شہر چوک مردان میں پہلے محمدی گل صاحب نے سورۃ البقرہ کی آیات کے حوالے سے تقریر کی اور لوگوں کو اللہ کی بندگی کی

طرف دعوت دی اور بتایا کہ اللہ تعالیٰ نے ہم پر بڑے احسانات فرمائے ہیں اس لیے بندگی صرف اور صرف اسی کی ہونی چاہئے وہی صحیح معنوں میں داتا، دستگیر، مشکل کشا و حاجت روا، غوث اور غوث الاعظم ہے اس کا کوئی شریک نہیں۔ شرک اس کے ساتھ ظلم عظیم ہے۔ اس لیے اللہ کے بندو! اللہ کی بندگی اختیار کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو۔ محمدی گل صاحب کی تقریر کے بعد دوسری تقریر نہر چوک سے ذرا فاصلے پر شرافت اللہ صاحب نے کی۔ انہوں نے بھی لوگوں کے سامنے اللہ کی بندگی کی دعوت پیش کی اور شرک کے بارے میں وضاحت سے بیان کیا اور عقائد کی خرابی کی نشاندہی کر کے اس کی اصلاح کی طرف توجہ دلائی۔

مردان شہر میں دعوت الی اللہ کے بعد امیر تنظیم اور ساتھی اگلے پروگرام کے لیے بام خیل کی طرف روانہ ہوئے اور تقریباً دو بجے مسجد توحید بام خیل پہنچے۔ جہاں صلوٰۃ الظہر ادا کرنے کے بعد شرافت اللہ صاحب نے سورۃ ابراہیم کے پہلے رکوع کی آیات پر مشتمل درس قرآن دیا۔ بام خیل میں چونکہ حال ہی میں مسجد تعمیر ہوئی ہے اور ہماری تنظیم کی بالکل نئی مسجد ہے اس لیے موقع کی مناسبت سے امیر تنظیم نے یہاں کے ساتھیوں کی تالیف قلب کے لیے شرافت اللہ صاحب کے درس قرآن کے بعد مختصراً چند کلمات کہے جن میں مقامی ساتھیوں کی حوصلہ افزائی کی گئی کہ انہوں نے اللہ کے دین کی دعوت اٹھانے کے لیے اور خالصتاً اسی کی بندگی کے لیے مسجد بنائی ہے اور کہا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو جس اجتماعیت کے ساتھ منسلک ہو کر قدم بڑھانے کی طرف گامزن کیا ہے وہی مالک آپ کو اس راہ میں استقامت اور مزید ذوق و شوق سے نوازے۔ امیر تنظیم نے دین کا کام کرنے کے لیے اجتماعیت کے تقاضے پورے کرنے اور اس سلسلے میں بڑھ چڑھ کر ایثار و قربانی کی تلقین کی اور رب کائنات سے توفیق احسن کی دعا کی! اس کے بعد عمر خطاب صاحب نے پشتو میں سامعین کے سوالوں کے جواب دیئے۔ سوال و جواب کے اختتام پر میزبان ساتھیوں کے ساتھ چائے وغیرہ پینے کے بعد بام خیل سے ایک ڈیڑھ کلو میٹر کے فاصلے پر باجہ محلّہ قاسم خیل میں واقع مسجد توحید کی طرف روانہ ہوئے جو صوبہ سرحد میں ہماری دوسری بڑی مسجد ہے۔ محلّہ قاسم خیل کی مسجد توحید میں صلوٰۃ العصر ادا کرنے کے بعد امیر تنظیم نے ساتھیوں کے مختلف گروپ بنا کر انہیں بعض مسنون دعائیں ایک دوسرے کو سنا کر یاد کرنے کی ہدایت کی۔ اور خود اس دوران ضلع صوابی کے ناظمین سے مشاورت میں شرکت کی۔ مغرب کے بعد مقامی ساتھیوں کی طرف سے حسب معمول روایتی کھانے کا انتظام تھا۔ صلوٰۃ العشاء کے بعد صوبہ سرحد کے امیر عمر خطاب صاحب نے سورۃ الحج کے آخری رکوع کی ابتدائی آیات کے حوالے سے خطاب کیا۔ انہوں نے سورۃ کے پس منظر اور اس کے آغاز میں قیامت کی ہولناک منظر کشی کے ذکر سے مذکورہ آیات کی تشریح بیان کی اور اللہ کے مقابلے میں جن کمزور سہاروں کو پکڑ کر گمراہی کی روش اختیار کر لی گئی ہے اس کی وضاحت کرتے ہوئے مولویوں کی چالاکیوں اور فریب کاریوں کا بھی جائزہ لیا۔ جنہوں نے قرآن و حدیث کی تعلیمات کے مقابلے میں خوابوں کی صورت میں بیان کئے گئے دیومالائی اور افسانوی دین کو رواج دیا ہے۔ انہوں نے اس سلسلے میں مختلف فرقوں اور مسالک کے بڑے بڑے مولوی حضرات کے بے دلیل قصے بیان کئے جنہوں نے نبی علیہ السلام سے خواب میں ملاقات کرنے اور ہدایات حاصل کرنے کے دعوے کئے اور کہتے ہیں کہ جو آپؐ کے عالم واقعہ میں ہندوستان و پاکستان میں تشریف لا کر ان کے مسائل حل کرنے کے دعویدار رہیں۔ ڈاکٹر عمر خطاب صاحب کے بعد سامعین کے سوالوں کے جواب دیئے گئے۔ رات مسجد توحید محلّہ قاسم خیل میں قیام کے بعد ۲۵ مئی کو صلوٰۃ الفجر کے بعد کراچی کے شرافت اللہ صاحب

نے پشتو میں سورۃ آل عمران کی آیات کے حوالے سے درس قرآن دیا۔ اس کے بعد اشراق و ناشتے سے فارغ ہو کر زیادہ تر ساتھی راولپنڈی کے لیے روانہ ہوئے جبکہ امیر تنظیم چند ساتھیوں کے ہمراہ براستہ تربیلا ڈیم ویسہ ضلع اٹک کی طرف روانہ ہوئے اس طرح صوبہ سرحد کا دورہ اختتام پذیر ہوا۔

باجوڑ سے روانہ ہو کر امیر تنظیم تقریباً ساڑھے دس بجے ویسہ پہنچے جہاں ظہر کے بعد پروگرام طے تھا۔ ویسہ میں پروگرام سے کافی پہلے پہنچنے کا یہ فائدہ ہوا کہ اس دوران مقامی ساتھیوں سے ملاقات اور تبادلہ خیال کے لیے کافی وقت مل گیا اور کچھ آرام کا موقع بھی نکل آیا۔ صلوٰۃ الظہر کے بعد محمد گل صاحب نے سورۃ المومنون کی آیات ۱۲ تا ۱۶ کے حوالے سے خطاب کیا جس میں انہوں نے انسان کی تخلیق کے مختلف مراحل کا ذکر کرتے ہوئے آیات نمبر ۱۵ اور ۱۶ میں بیان کیے گئے اس اٹل اصول کی وضاحت کی جس میں اس زندگی کے بعد موت سے ہمکنار ہونے اور پھر قیامت کے دن زندہ کر کے اٹھائے جانے کی محکم انداز میں نشاندہی کی گئی ہے۔ انہوں نے مرنے کے بعد اسی مردہ جسم میں قیامت سے پہلے روح لوٹائے جانے کے گمراہ کن عقیدے اور اس کی سرپرستی کرنے والے مختلف مسالک اور فرقوں کے اکابرین کا پوسٹ مارٹم کیا اور اس عقیدے کو کتاب و سنت کی تعلیمات کے خلاف اور قبر پرستی کی بنیاد قرار دیا۔ اسی عقیدے کے باعث مرنے والے غوث الاعظم، داتا، دستگیر اور مشکل کشا بنا لیے گئے ہیں اور آج یہ امت عقائد کے بگاڑ میں مبتلا ہے۔ محمد گل صاحب کے خطاب کے بعد امیر تنظیم نے سامعین کے سوالوں کے جواب دینے شروع کیے لیکن اس میں زیادہ وقت قریبی مدرسوں سے آنے والے بعض طلباء نے لے لیا جو غالباً بات کو سمجھنے کے لیے نہیں بلکہ اپنے اکابرین کے غلط عقائد کے دفاع کے لیے آئے تھے اس لیے انہوں نے بات کو سمجھنے یا سمجھانے کے بجائے سوال و جواب کے اس پروگرام کو مناظرے میں تبدیل کرنے کی کوشش کی جو ہمارا طریقہ نہیں۔ تاہم ان کے تند و ہٹ دھرمی پر مبنی رویے کے باوجود امیر تنظیم نے صبر و تحمل اور نرمی سے ان کے سوالات کا وضاحت سے جواب دیا جس سے کم از کم دوسرے سامعین نے استفادہ کیا ہوگا۔ بہر حال وقت کی قلت کے باعث امیر تنظیم نے مقامی ساتھیوں سے اجازت لی اور اس طرح تقریباً چار بجے راولپنڈی کے لیے روانہ ہوئے جہاں مغرب کے بعد پروگرام طے تھا۔

ویسہ سے روانہ ہو کر راستے میں سرحد کے امیر ڈاکٹر عمر خطاب صاحب کو کامرہ کے مقام پر واپس خویشگی کی طرف رخصت کرتے ہوئے تقریباً چھ بجے راولپنڈی پہنچے اور صلوٰۃ العصر ادا کی۔ صلوٰۃ المغرب کے بعد کراچی کے ساتھی سعید احمد صاحب نے سورۃ البقرۃ کی آیت.....**فمن یکفر بالطاغوت**..... کے حوالے سے رد طاغوت کے عنوان پر خطاب کیا۔ صلوٰۃ العشاء کے بعد امیر تنظیم نے بڑی وضاحت کے ساتھ حاضرین کے سوالوں کے جواب دیئے۔ راولپنڈی میں سوال و جواب کا سلسلہ خاصا طویل رہا جس کے اختتام پر ساتھی کھانا کھا کر سو گئے ۲۴ مئی کو صلوٰۃ الفجر کے بعد کراچی کے شرافت اللہ صاحب نے سورۃ البقرۃ کی آیت **واذا سالک عبادی عنی فانی قریب**..... کے حوالے سے درس قرآن دیا اور کتاب و سنت کے متعدد حوالوں سے واضح کیا کہ دعا و پکار (مافوق الاسباب) اللہ کی عبادت ہے اس لیے غیر اللہ کو اس انداز سے پکارنا اور ان سے استمداد حاصل کرنا شرک ہے اور یہی قرآن و حدیث کا فیصلہ ہے۔ درس قرآن کے بعد امیر تنظیم نے سامعین کے سوالوں کے جواب دیئے۔ بعد ازاں ناشتے وغیرہ سے فارغ ہو کر راولاکوٹ آزاد کشمیر کے لیے روانگی ہوئی او. بل کھاتی ہوئی

پہاڑی سڑک پر طویل سفر کے بعد تقریباً ۲ بجے راولاکوٹ پہنچے۔

مسجد توحید راولاکوٹ میں جمعہ سے قبل امیر تنظیم نے سورۃ الانعام کے نویں رکوع کی آیات کے حوالے سے خطاب کیا اور ابراہیم علیہ السلام کی زندگی کے حالات 'اللہ کی راہ میں ان کی آزمائشوں' اللہ کی بارگاہ میں ان کی پذیرائی اور پھر ان کے اسوہ کی حیثیت کو قرآن کے متعدد حوالوں سے وضاحت کے ساتھ بیان کیا۔ اس کے بعد جمعہ کا خطبہ دیا اور صلوٰۃ الجمعہ کی امامت کی۔ صلوٰۃ الجمعہ اور کھانے سے فارغ ہونے کے بعد امیر تنظیم نے حاضرین کے سوالات کے جواب دیئے۔ بعد ازاں امیر تنظیم ساتھیوں کو راولاکوٹ بازار میں دعوت الی اللہ کے لیے ہدایت کر کے خود مسجد سے قریب ہی ایک مقامی ساتھی کے گھر پر خواتین کے اجتماع سے خطاب کرنے چلے گئے۔ چنانچہ راولاکوٹ بازار میں کراچی کے ساتھیوں اور مرکزی شوریٰ کے ارکان محمدی گل صاحب اور محمد افضل صاحب نے دو مقامات پر لوگوں کے سامنے تقاریر کے ذریعے اللہ کی بندگی کی دعوت پیش کی اور قرآن و سنت کے حوالوں سے شرک کی ہلاکت خیزی کو واضح کرتے ہوئے اس سے بچنے کی تلقین کی۔

صلوٰۃ العصر کے بعد لیفٹیننٹ (ر) ارشد صاحب اور دو مقامی ساتھیوں اورنگ صاحب اور الطاف صاحب کی مختلف موضوعات پر مختصر تقاریر ہوئیں۔

صلوٰۃ المغرب کے بعد محمدی گل صاحب نے سورۃ یٰسین کے دوسرے رکوع کی آیات کے حوالے سے خطاب کیا۔ انہوں نے قرآنی آیات کی روشنی میں زندہ اور مردہ کا فرق واضح کرتے ہوئے بتایا کہ قرآن کی دعوت زندہ انسانوں کے لیے ہے۔ لیکن دین کے کاروباریوں نے قرآن کی اس عظیم سورۃ کو جس میں توحید و آخرت کا بلاوا ہے' شرک کا رد ہے' انبیاء علیہم السلام کی دعوت' منکر قوم کا رد عمل اور دعوت حق پر لبیک کہنے والے صاحب یٰسین اور منکرین حق کے انجام کا ذکر ہے' صرف مردوں کے لیے مخصوص کر دیا ہے۔ محمدی گل صاحب نے امت کے اندر عقیدے کے بگاڑ بالخصوص قبر پرستی کے شرک کی بھرپور وضاحت کے ساتھ اسکو رد کیا۔ محمدی گل صاحب کے تفصیلی خطاب کے بعد صلوٰۃ العشاء اور کھانے کا وقفہ ہوا۔ بعد ازاں امیر تنظیم کی مقامی شوریٰ کے ساتھ نشست ہوئی۔ جبکہ باہر سے سفر کر کے آنے والے ساتھی تھکاوٹ کی وجہ سے سو گئے۔

۲۷ مئی کو صلوٰۃ الفجر اور ناشتے وغیرہ کے بعد کراچی اور پنجاب و سرحد سے آنے والے ساتھیوں کی اکثریت راولپنڈی کے لیے روانہ ہو گئی۔ امیر تنظیم اور کچھ مقامی ساتھیوں نے ویگن اڈے پر ان کو رخصت کیا۔ اس کے بعد امیر تنظیم کراچی کے باقی ساتھیوں کے ہمراہ تقریباً سات بجے صبح میرپور (آزاد کشمیر) کے لیے روانہ ہوئے اور کافی طویل سفر طے کر کے دو بجے میرپور پہنچے۔ صلوٰۃ الظہر ادا کرنے کے بعد مقامی ساتھیوں سے ملاقات اور انکی طرف سے چائے وغیرہ کے اہتمام سے فارغ ہو کر امیر تنظیم نے سورۃ حم السجدہ کی آیت کے حوالے سے مختصر خطاب کیا اور ساتھیوں کو دینی ذمہ داریوں کی اہمیت کا احساس کرنے اور انکی حتی المقدور ادائیگی کی تلقین کی۔ صلوٰۃ العصر کے بعد امیر تنظیم اور ساتھیوں نے اشرف صاحب کی فیکٹری میں جا کر انکے والد کی وفات کے سلسلے میں ان سے تعزیت کی اور پھر کچھ مقامی ساتھیوں کو بھی ساتھ لیکر دھنڈ کی طرف روانہ ہوئے۔

میرپور سے روانہ ہو کر مغرب کے بعد مسجد توحید دھنڈ پہنچے۔ صلوٰۃ المغرب ادا کرنے کے بعد مقامی ساتھیوں کے ساتھ کھانا کھایا۔ صلوٰۃ العشاء کے بعد کراچی کے ساتھی سعید احمد صاحب نے سورۃ المومنون کی آیت ۱۲-۱۹ کے حوالے سے خطاب کیا۔ سعید احمد صاحب

کی تقریر کے بعد سوال وجواب کا سلسلہ شروع ہوا جو رات گئے تک جاری رہا۔ امیر تنظیم نے بڑی وضاحت سے سامعین کے سوالوں کے جواب دیئے ۲۸ مئی کو صلوٰۃ الفجر کے بعد کراچی کے شرافت اللہ صاحب نے سورۃ ھود کے تیسرے رکوع کی آیات کے حوالے سے درس قرآن دیا اور نوح علیہ السلام کی دعوت کے تناظر میں انبیاء علیہم السلام کی دعوت کا مختصر تعارف پیش کیا۔ بعد ازاں اشراق اور ناشتے وغیرہ سے فارغ ہو کر امیر تنظیم نے بعض حضرات بالخصوص ایک نوجوان فارغ التحصیل عالم کے سوالوں کے جواب دیئے اور ان سے کافی تفصیل کے ساتھ بات چیت کی اور انہوں نے ہماری دعوت کے تعلق سے بات کو تسلیم کیا۔ اللہ تعالیٰ انہیں مزید آگے قدم بڑھانے اور استقامت سے نوازے۔ آمین!

اس کے بعد امیر تنظیم مقامی ناظم محمد افضل بٹ صاحب اور دوسرے ساتھیوں کے ہمراہ تقریباً ساڑھے سات بجے بھورانی کے لیے روانہ ہوئے اور آٹھ بجے کے قریب مسجد توحید بھورانی پہنچے۔

دو رکعت تحیۃ المسجد ادا کرنے کے بعد ساتھی مسجد میں بیٹھ گئے۔ امیر تنظیم نے مومنوں کے باہمی تعلقات کے بارے میں مختصر بات کرنے کے بعد سب سے پہلے اپنا تعارف پیش کیا اور پھر سب ساتھیوں نے فرداً فرداً تعارف کرایا۔ تعارف کے بعد لیفٹیننٹ (ر) ارشد صاحب نے سورۃ الزمر کے آخری رکوع کی آیات پر مشتمل درس قرآن دیا اور انسانی زندگی کے انجام کی دو صورتوں (جنت اور جہنم) کو انکے اپنے ہاتھوں کی کمائی اپنے رویے اور طرز عمل کے مبنی بر انصاف نتیجے کے طور پر واضح کیا۔ اس کے بعد امیر تنظیم نے سامعین کے سوالوں کے جواب دیئے۔

بعد ازاں کھانے اور صلوٰۃ الظہر سے فارغ ہو کر امیر تنظیم نے میزبان ساتھیوں سے رخصت چاہی اور براستہ دھنڈر گوجرانوالہ کے لیے روانہ ہوئے۔ اسطرح سرحد و آزاد کشمیر کا بارہ روزہ دورہ اختتام پذیر ہوا۔ جس کے بعد امیر تنظیم گوجرانوالہ اور ترنڈہ محمد (رحیم یار خاں) میں مختصر پروگرام کرتے ہوئے واپس کراچی پہنچے۔

بقیہ: ابراھیم خلیل اللہ

چکے ہیں۔ اللہ کے بندے اخروی فلاح کے امیدوار آگے بڑھ رہے ہیں اور اس مشن کی تکمیل کے لئے اپنی توانائیاں، صلاحیتیں اور اپنے وسائل وقف کر رہے ہیں۔ دراصل "لقد کان لکم......" کا خطاب قیامت تک کے لئے ایسے تمام سچے ایمانداروں سے ہے جن کے دل میں نعمت ایمانی کی قدر ایسی ہی ہے جیسی قرون اولیٰ کے مسلمانوں میں تھی۔ اللہ تبارک وتعالیٰ سے جذبہ عجز وانکساری کے ساتھ دعا ہے کہ رب کریم ہمیں اس کا پورا شعور اور احساس عطا فرمائے اور اسوۂ ابراہیمی سے پوری طرح بہرہ ور ہونے کی توفیق احسن عطا فرمائے۔ آمین

بقیہ: عالم دوبارہ نیست

اختراع کر لیا تھا۔ مقصد تو محض یہ ہے کہ حصول آخرت کے لیے کوشش ہو جتنی کہ اس کی اہمیت ہے اور دنیا کی زندگی کے لیے اتنی ہی سعی وجہد ہو جتنی کہ ضرورت ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ دنیا کی زندگی میں آسائش بہم پہنچائے مال ودولت سے نوازے تو اسے آخرت کے حصول کے لیے خرچ کرے تاکہ یہ آزمائشی دور بخوبی گذر جائے اور مالک جہنم کی آگ سے بچا کر جنت کی لازوال نعمتوں کا حقدار ٹھہرائے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو آخرت کی اہمیت بخوبی سمجھنے اور حصول آخرت کے لیے اس دنیا میں ہی کچھ کر لینے کی توفیق عطا فرمادے! آمین۔

سلسلہ سوال و جواب

ڈاکٹر مسعود الدین عثمانی رحمۃ اللہ علیہ

سوال : ڈاکٹر صاحب جادو کی حیثیت اور نبی علیہ السلام پر اس کے اثر کے متعلق بتائیے؟

جواب : عربی میں جادو کی معنی ایسی چیز کے ہیں کہ جو سمجھ میں نہ آئے۔ یہ بات درست ہے کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر جادو کا اثر ہوا تھا۔ اس کا مقصد صرف یہ تھا کہ لوگوں کو یہ بات معلوم ہو جائے کہ آپ بشر ہیں عام انسانوں کی طرح اور آپ کو نقصان بھی پہنچ سکتا ہے۔ اس کے علاوہ آپ کو اس واقعہ کے ذریعے معوذتین کی اہمیت بھی بتلائی تھی کہ یہ دو سورتیں ہیں سورۃ الفلق اور سورۃ الناس ان کے ذریعے آپ تعوذ کیجئے۔ اسی لیے آپ کے گھر میں کوئی بیمار ہوتا تو آپ اس پر پڑھ کر پھونکتے تھے۔ رات کو سوتے وقت یہ دونوں سورتیں آپ پڑھ کر اپنے اوپر پھونکتے تھے اور اپنے صحابہ کو بھی یہ عمل کرنے کی تاکید فرمائی۔ آپ کے مرض الموت میں ام المومنین عائشہؓ اپنے ہاتھوں میں یہ دونوں سورتیں پڑھ کر آپکے اوپر دم کرتی تھیں۔ جادو کے متعلق قرآن میں آتا ہے کہ اللہ کے حکم کے بغیر اس سے کسی کو کوئی نقصان نہیں پہنچ سکتا۔ جادو کا اثر محض نفسیاتی یا تخیلاتی ہوتا ہے جیسا کہ قرآن بیان کرتا ہے موسیٰ علیہ السلام کے واقع میں کہ:

فاذا حبالھم و عصیھم یخیل الیہ من سحرھم انھا تسعیٰ (طہ : ۶۶)

"پھر جب ان کی لاٹھیاں اور رسیاں (موسیٰؑ کو) انکے جادو کی وجہ سے ایسے محسوس ہوئیں گویا دوڑ رہی ہوں۔"

یہاں "**یخیل الیہ**" کے الفاظ کا مطلب ہے کہ ان کو ایسا محسوس ہوا یا ان کو ایسا خیال یا گمان ہوا۔ دوسری جگہ آتا ہے۔

سحروا اعین الناس (الاعراف:۱۱۶) لوگوں کی آنکھوں پر جادو کر دیا (یعنی نظر بندی کر دی)

ان دونوں آیتوں سے معلوم ہوا کہ جادو کا اثر انسان کے تخیل پر ہوتا ہے۔ اس سے اصل ہیئت تبدیل نہیں ہوا کرتی۔

سوال : ڈاکٹر صاحب کیا سورۃ الفلق اور سورۃ الناس تعویذ کی صورت میں گلے میں لٹکا سکتے ہیں؟

جواب : بالکل نہیں۔ تعویذ لٹکانے کو نبی علیہ السلام نے شرک کہا ہے۔ حدیث میں آتا ہے کہ آپ نے فرمایا

من تعلق تمیمۃ فقد اشرک جس نے تعویذ لٹکایا اس نے شرک کیا۔

قرآن اس لیے نہیں آیا ہے کہ اس کے تعویذ بنا بنا کر گلوں میں لٹکائے جائیں ہاں ان دونوں سورتوں کو پڑھ کر اپنے اوپر دم کر سکتے ہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہی طریقہ ہے۔

سوال : کیا جادو دو فرشتوں ہاروت اور ماروت پر حق و باطل کا فرق واضح کرنے کے لیے اتارا گیا تھا؟

جواب : جی ہاں۔ یہ بابل والوں کی آزمائش کیلئے تھا۔ اس کی مثال سبت کے واقعہ سے دی جا سکتی ہے کہ اس قوم کو سبت یعنی ہفتہ کے دن مچھلیاں پکڑنے سے منع کیا گیا تھا اور ان کی آزمائش کیلئے ہفتہ ہی کے دن زیادہ مچھلیاں ساحل پر آتی تھیں۔ لیکن وہ لوگ اس آزمائش

میں پورے نہ اتر سکے۔ اللہ کی نافرمانی کی اور پھر عذاب میں مبتلا ہو گئے۔ اسی طرح کا معاملہ بابل والوں کے ساتھ پیش آیا تھا۔ جس کا ذکر سورۃ بقرہ میں ہے۔ وہ جادو ٹونا اور اسی قسم کی چیزوں کے بڑے شوقین تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انکی آزمائش کیلئے دو فرشتوں ہاروت اور ماروت کو بھیجا جو انکو جادو سکھاتے تھے لیکن جو انکے پاس جادو کیلئے آتا تھا اس سے پہلے کہہ دیتے تھے کہ ہم آزمائش ہیں' جادو سیکھ کر کفر مت کرو جو اصرار کرتا تھا اس کو وہ جادو سکھا دیتے تھے' یہ جادو کچھ اس قسم کا تھا کہ جس سے شوہر اور بیوی کے درمیان اللہ کے حکم سے جدائی ہو جاتی تھی۔ یہ سب معاملہ صرف اور صرف انکی آزمائش کے لیے تھا۔

سوال : وحی کی کتنی قسمیں ہیں؟

جواب : وحی کی دو بڑی قسمیں ہیں۔ وحی متلو اور وحی غیر متلو وحی متلو سے مراد وہ وحی جو تلاوت کی جاتی ہے یعنی قرآن پاک۔ اور وحی غیر متلو وہ وحی ہے جو اللہ تعالیٰ اپنے فرشتوں کے ذریعے اپنے پیغمبر تک پہنچاتا ہے۔ یہ وحی صحیح احادیث کی صورت میں ہمارے پاس موجود ہے۔

سوال : کیا امام بخاری' شافعی مسلک کے تھے؟

جواب : امام بخاریؒ مجتہد تھے۔ اللہ نے ان کو بڑے علم سے نوازا تھا۔ اپنے وقت کے سب سے بڑے محدث تھے۔ صحیح اور غلط روایات میں سے صحیح ترین روایات کو انہوں نے چھانٹ کر علیحدہ کیا اور صحیح بخاری مرتب کی۔ اور اس کام میں انہوں نے سولہ برس صرف کیے کسی بھی امام کی کوئی بات انہیں غلط معلوم ہوئی تو اس کو انہوں نے رد کیا ہے۔ کہیں امام ابو حنیفہ کی بات کو غلط پایا ہے تو اس کا انکار کیا۔ کہیں امام شافعی کی بات غلط سمجھی تو اسے رد کر دیا ہے۔

سوال : بتایئے کہ نظر لگ جاتی ہے یا نہیں؟

جواب : نبی علیہ السلام نے اس سلسلے میں یہ بات بیان کی ہے کہ "العین حق" لیکن یہ نہیں بتایا کہ اس سے کیا مراد ہے اس کا کیا علاج ہے اور اس کی کیا نشانیاں ہیں۔ اگر کسی کو یہ خیال یا شک ہو کہ اسے نظر لگی ہے تو وہ ایک ہی طریقہ اختیار کرے۔ یعنی سورۃ الفلق اور سورۃ الناس پڑھ کر اپنے اوپر دم کر لے۔ لیکن یہ آج کھیل بن گیا ہے۔ تعویذ گنڈے اور ٹونے ٹوٹکے والے ہر بیماری کو نظر کا نتیجہ قرار دیتے ہیں اور پھر مختلف طریقوں سے مریض سے پیسے بٹورتے ہیں اس سلسلے میں جو روایت آئی ہے کہ ایک صحابی نے دوسرے صحابی کو ایسی نظر سے دیکھا کہ وہ گر پڑے۔ یہ روایت صحیح نہیں ہے۔

سوال : کیا شہید کا قیامت کے دن حساب کتاب ہو گا' اگر کوئی مقروض شہید ہوا تو کیا اس کا حساب ہو گا؟

جواب : قبر سے لیکر قیامت تک شہید پر کیا بیتے گی۔ یہ سب کچھ نبیؐ نے بتادیا ہے' جہاں تک آپ کے سوال کا تعلق ہے تو اس سلسلے میں ایک روایت میں آتا ہے کہ ایک صحابی رسول اللہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہنے لگے کہ میں اللہ کی راہ میں بڑھتا جاؤں' جنگ کروں اور شہید ہو جاؤں تو کیا میرے سارے گناہ معاف ہو جائیں گے "آپؐ" نے فرمایا کہ ہاں۔ وہ صحابی واپس جانے لگے تو آپؐ نے ان کو دوبارہ بلوایا اور کہا کہ ابھی میرے پاس جبرئیلؑ آئے اور بتایا کہ شہید کی ہر چیز معاف ہو جائے گی مگر قرض کہ وہ معاف نہ ہو گا۔ اللہ اس کا حساب کتاب کرے گا۔ اللہ کی رحمت اس پر غالب ہو گی۔ اللہ اپنی رحمت سے اسے ادا کر دے گا اور یہ معاملہ نمٹ جائے گا۔

اب اصلاح حال کا ایک ہی طریقہ ہے اور وہ یہ کہ دنیا کو پوری طرح کھول کر بتایا جائے اس دین طریقت اور اصل دین اسلام میں جو قرآن وحدیث کے اندر ہے، کیا فرق ہے۔ پھر ایسے لوگوں کو تیار کر کے جمع کیا جائے جو قرآن وحدیث کے دین خالص کے ماننے والے بن کر اٹھیں اور اس دین اتحاد کی دھجیاں اڑادیں۔ پھر کہیں اللہ کی وہ رحمت متوجہ ہو گی جس نے صدیوں سے منہ پھیر لیا ہے۔ اللہ جانتا ہے کہ یہ راستہ سخت کٹھن اور انتہائی جرأت آزما راستہ ہے لیکن اس سے مفر نہیں۔ آج بھی اگر یہ کام نہ کیا گیا تو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں کوئی جواب بن نہ پڑے گا۔ غضب ہے کہ ہر حق، ناحق بنا ڈالا گیا اور ہر ناحق ابھرا اور چھا گیا۔ حرام، حلال ہو گیا اور حلال پر قدغنیں لگا دی گئیں۔ قرآن کی تنزیل کا مطالعہ کیجئے تو نظر آئے گا کہ ہمیشہ اصلاح کے لئے پہلا قدم یہی رہا ہے کہ باطل عقائد پر سب سے پہلے ضرب لگائی جائے اور پوری طرح سے اُن کا پول کھول ڈالا جائے۔ تیرہ سال کی مکی زندگی میں مشرکین عرب کا کوئی باطل عقیدہ ایسا نہ تھا جس سے تعرض نہ کیا گیا ہو ایسے ہر ہر عقیدہ کی سفاہت، اس کا فساد، واضح کر کے اس کی جگہ پر عقیدۂ حق کی برکتوں سے روشناس کروایا گیا اور جب ہجرت کے بعد مدینہ میں اہل کتاب سے سابقہ پیش آیا تو سورۃ البقرہ، آل عمران، النساء، المائدہ کے ذریعہ اہل کتاب کے عقائد کا تیا پانچا کر ڈالا گیا۔ آج بھی یہی کام ہونا چاہیے۔ یہ "اتحادِ ثلاثہ" اگر پارہ پارہ نہ کیا گیا تو یہ موجودہ بے آبروئی نہ جائے گی اور انجام کار جہنم کی آگ سے بچنا ممکن نہ ہو سکے گا اس لئے وقت آگیا ہے کہ کھول کر بے دھڑک اعلان کیا جائے کہ "دینِ اتحاد" توحید قرآنی کا مقابلہ کرنے کے لئے ایجاد کیا گیا ہے اور آج تک کوئی صوفی ایسا نہیں گذرا جو "اتحادی" نہ ہو۔ یہ وہ دین ہے جس نے شرک و بدعت کو سند جواز دی ہے۔ طبیب کا روپ دھار کر بیمار کو اپنے ہاتھ سے زہر پلایا ہے۔ گمراہی کو خوش نما بنانے کے لئے اصطلاحات کا ایک جنگل تیار کیا ہے اور خالق و مخلوق، عبد و معبود کو ایک دوسرے میں سمو کر بے حساب ایسی مرکب اشیاء پیدا کی ہیں جنہوں نے اپنی اپنی گدی سنبھالی ہے اور پھر یہ خدائی میراث باپ سے بیٹے کو منتقل ہوتی رہی ہے ان کی محفلوں میں قرآن وحدیث کے بجائے کشف و کرامات، مراقبہ و مشاہدہ، وصل و ہجر، سکر و صحو کی آوازیں گونجتی رہی ہیں اور اگر کبھی انہوں نے قرآن وحدیث کا نام لیا بھی ہے تو صرف اپنے دین اتحاد کی مخصوص اصطلاحات کو صحیح ثابت کرنے کے لئے جیسے وحدت الوجود کے ثبوت کے لئے اس حدیث قدسی کو استعمال کیا گیا جس میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ میں اپنے بندہ کی سماعت و بصارت بن جاتا ہوں۔ اس کے ہاتھ و پیر بن جاتا ہوں" اور ایسا کرتے ہوئے حقیقت و مجاز کے سارے تقاضوں کو پس پشت ڈال دیا گیا اسی طرح جب اپنی اصطلاحات سکر و صحو کے ثابت کرنے کا موقع آیا تو یہود و نصاریٰ اور مشرکین و منافقین کی طرف سے انبیاء پر لگائے ہوئے جھوٹے الزامات کو سچا مان کر ان خود ساختہ اصطلاحات کا ثبوت بہم پہنچایا گیا۔ جیسے علی ہجویری المعروف بدا تا گنج بخش نے "کشف المحجوب" نامی اپنی کتاب میں داؤد علیہ السلام اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی عصمتوں پر لگائے ہوئے جھوٹے الزامات کو جوں کا توں مان لیا اور ثابت کر دکھایا کہ یہ سب سکر و صحو کی کرشمہ کاریاں تھیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اور ہم نے اس قرآن کو نصیحت کیلئے آسان کر دیا ہے تو ہے کوئی اس سے نصیحت حاصل کرنے والا؟ (القمر)



قرآن حکیم کھول کر ترجمہ کے ساتھ پڑھیے

کیا آپ نے قرآن کا مطالعہ کیا ہے؟
اگر نہیں تو اس سے زیادہ محرومی کی بات اور کیا ہو سکتی ہے!

لوگوں کا حال تو یہ ہے کہ:

صبح اٹھتے ہی اخبار پڑھنے کے لئے بے چین رہتے ہیں۔
رسائل کا شوق سے مطالعہ کرتے ہیں۔ اپنے اپنے مسالک کے جرائد لے کر بیٹھ جاتے ہیں۔
دنیا بھر کی کتابیں پڑھنے کے لئے وقت نکال لیتے ہیں۔
لیکن اللہ کی کتاب پڑھنے کے لئے ان کے پاس کوئی وقت نہیں ہے؟

حالانکہ

نزول قرآن کا آغاز ہی اس کتاب کو پڑھنے کے حکم "اقرا" سے ہوا ہے۔

- یہ صرف تلاوت کے لئے نہیں بلکہ سمجھ کر پڑھنے اور ہدایات حاصل کرنے کیلئے نازل ہوئی ہے۔
- یہ مُردوں کو بخشوانے کے لئے نہیں بلکہ زندوں پر نجات کی راہ کھولنے کے لئے آئی ہے۔
- یہ انسان کو غور و فکر کی دعوت دیتی ہے تاکہ اس کے خیالات میں نکھار پیدا ہو اور زندگی سنور جائے۔
- یہ مطالبہ کرتی ہے کہ زندگی کا سفر اس کی روشنی میں طے کیا جائے۔

کیا یہ مقاصد دیواروں پر "یہ جو کتاب ہے۔ درس انقلاب ہے" لکھنے سے پورے ہوں گے؟
یا اس کتاب کو صرف "مکمل ضابطہ حیات" کہنے سے مسئلے حل ہوں گے؟
یا یہ مقاصد قرآن کے مطالعے کے بغیر پورے ہو سکتے ہیں؟
ایسے کتنے لوگ ہیں جنہوں نے زندگی میں کم از کم ایک مرتبہ ہی قرآن سمجھ کر پڑھا ہو؟

آئیے! غفلت کے اس پردے کو چاک کریں اور قرآن فہمی کو عام کریں۔

أَفَلَا يَتَدَبَّرُونَ الْقُرْآنَ أَمْ عَلَىٰ قُلُوبٍ أَقْفَالُهَا ۝ (محمد۔ ۲۴)
تمہیں کیا ہو گیا کہ تم قرآن پر غور و فکر کیوں نہیں کرتے کیا تمہارے دلوں پر تالے پڑ گئے ہیں۔